جملہ حقوق محفوظ

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

حصہ اول

رد ستیارتھ پرکاش

یعنی

آریہ کھنڈن

اسلامی دنیا میں اپنی آپ ہی نظیر ہے

جس میں سوامی دیانند سرسوتی مہاراج بانی فرقہ آریہ سماج کے جملہ مسایل یقینی، اصولی، فروعی
فلسفی، طبی، منطقی، تمدنی، اخلاقی وغیرہم کا مفصل و مدلل جواب اور کامل تردید ہے

جس کو

عالیجناب مولوی حکیم سید شمشاد حسین صاحب شمس موسوی نے

حسب فرمائش

منشی سید محمد اختر صاحب زمیندار دھولڑی تصنیف فرمایا

بار اول ۱۵۰۰

قیمت فی جلد ۱۲

در مطبع انجلیل مشین پریس میرٹھ باہتمام حکیم خورشید حسن خورشید پرنٹر طبع شد

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام منشی سید محمد اختر صاحب زمیندار اسٹیٹ دھولڑی ضلع میرٹھ ہونی چاہیئے

فلسفۂ توحید

مصنفہ عالیجناب مولوی حکیم سید شمشاد حسین صاحب شمس موسوی
طبع ہونے والا ہے اس کتاب میں مسائل فلسفی کو اس قدر عام
فہم اور سلیس اردو میں تحریر کیا گیا ہے کہ معمولی اردو دان بھی
بخوبی سمجھکر دین حقیقی کی تائید اور دیگر مذاہب باطلہ کی
تردید پیش کر سکتا ہے۔ مضامین کی خوبی دیکھنے پر منحصر ہے
درخواست ہائے خریداری آنی چاہئیں۔

المعلن

منشی سید محمد اختر زمیندار دھولڑی

ضلع میرٹھ

ہو العزیز الحکیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

مدن موہن مالوی جی کی شرانگیزی اور سوامی شردہانند جی کی شعلہ خیزی ایسا رنگ لائی جس نے اکثر نو مسلموں کو (جو برائے نام مسلمان کہلاتے تھے مگر حقیقتاً اسلام کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔) دام تزویر میں پھنساکر قفس ضلالت میں مقید کرلیا۔ جس کو فی زمانہ شدھی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہی۔ مالوی اور شردہانندی بھڑکائے ہوئے شعلے اس قدر بلند ہوئے جن کا ٹھنڈا ہونا بلا باران رحمت ناممکن نظر آنے لگا تب رحمت کاملہ ارحم الراحمین نے مجھے اس خدمت پر مامور کیا تاکہ میں حقیقی تردیدی چھینٹوں سے ان شعلہ ہائے جوالہ کو سرد کرکے خاکستر بنادوں۔ بنا بریں علیہ میں نے آریوں کی مقدس اور اصولی کتاب ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی مہاراج بانی فرقہ آریہ سماج مترجمہ اردو راد ہا کشن جھنہ مطبوعہ مطبع سرسوتی لاہور ۱۹۰۵ء کو (جس میں مصنف صاحب نے اسلام کی نسبت خوب ہی زہر اوگلا ہی اور خلاف اخلاق گرے ہوئے لفظوں میں جا بجا حملے اور اعتراض بیجا کئے ہیں) سرسری طور پر دیکھا۔ اور بسم اللہ کہکر تردید لکھنا شروع کردی جسمیں سوامی جی کے تمام اعتراضات کا پورا پورا جواب اور جملہ مسائل یقینی۔ اصولی۔ فروعی۔ فلسفی منطقی۔ اخلاقی۔ تمدنی وغیرہم کی جو اصول فطرت اور نیچرل قانون کے سراسر خلاف ہیں۔ شروع سے آخر تک مفصل تردید کیگئی ہی۔ ساتھ ہی ساتھ تہذیب کا لحاظ اور ذاتیات پر حملہ نہ کرنے کا بھی کافی خیال رکھا گیا ہی۔

ستیارتھ پرکاش میں چودہ ابواب ہیں۔ اگر جملہ ابواب کا جواب ایک کتاب کی صورت میں چھپوایا جاتا تو بڑی ضخیم کتاب بنجاتی جس کو عام لوگ نہ خرید سکتے۔ اس لئے پوری کتاب کو چار حصوں پر تقسیم کرکے پہلا حصہ جس میں دیباچہ و باب اول و دوم و سوم کی تردید ہی ناظرین

کے روبرو پیش کیا جاتا ہی۔ مابقی گیارہ ابواب کی تردید بشرط قبولیت آیندہ پیش کی جاوے گی انشاء اللہ العزیز۔

حق کوش و انصاف پسند آریہ صاحبان سے التماس ہی کہ وہ تعصب اور ہٹ دھرمی کو دور کر کے اس کتاب کو (جس کا نام تردید ستیارتھ پرکاش یعنی آریہ کھنڈن رکھا ہی) ملاحظہ فرما کر صراط مستقیم اختیار فرمائیں

مبلغین اسلام و دیگر ناظرین کی خدمت میں عرض ہی کہ وہ سوامی شردھانند آریہ سماج کا ارتدادی سر توڑنے کے واسطے یہہ آلہ جو کسی طرح اپنے دشمن کی سرکوبی میں خطا نہیں کرتا استعمال فرمائیں۔

اگر سہواً یا عمداً کوئی غلطی رہ گئی ہی۔ تو ناظرین اُس سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دین

شکریہ۔ استاذی المعظم ارسطو فطرت جناب حکیم السید نظیر حسین صاحب عم فیضہ رئیس دھولڑی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کے فیض تعلیم سے میرے قلم میں اتنی طاقت ہی۔ کہ ایسے شخص کے مقابلہ پر خامہ فرسائی کرنے کو تیار ہوں جس کو آریہ لوگ بیسویں صدی بکرمی کا پیشوائے اعظم جانتے ہیں۔

خاص نوٹ معہ شکریہ میرے مہربان (علم دوست) منشی سید محمد اختر صاحب اختر موسوی زمیندار دھولڑی نے کتاب ہذا کے اکثر مضامین میں اپنے مفید مشورون سے مستفیض ہی نہیں فرمایا بلکہ اُن کی تکمیل میں خاص سعی فرمائی۔ اگر آپ مانع نہ ہوتے۔ یا ایسا قاعدہ ہوتا کہ دو مصنفین کے نام سے کتاب پکاری جا سکے تو میں بجائے اپنے نام کے یا اپنے نام سے پہلے آپ کا نام لکھتا۔ کیونکہ آپنے ترتیب و تکمیل میں مجھ سے زیادہ جانکاہی فرمائی ہی۔ اور حق تو یہہ ہے۔ کہ مین نے جو کچھ بھی لکھا وہ صرف آپ کی توجہ دلانے سے لکھا ورنہ مجھکو اس قسم کے مذاق سے دلچسپی ہی نہ تھی۔ ان تمام باتون کا میں جس قدر بھی ممنون ہوں وہ اس سے بہت ہی کم ہے۔ جتنی میری اعانت کی گئی۔

ہدایات

کتاب ہٰذا میں لفظ سوامی جی یا سرسوتی جی سے سوامی دیانند سرسوتی مراد ہے۔
لفظ ستیارتھ پرکاش سے کتاب ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی مترجمہ اردو
رادھاکشن تھتہ مطبوعہ ۱۹۱۸ء مطبع سروہتکاری لاہور مراد ہے۔
عبارت متن سے عبارت ستیارتھ پرکاش مراد ہے۔

ماہ نومبر ۱۹۲۳ء (مولوی حکیم) سید ارشاد حسین شمس
دھولڑی۔ ضلع میرٹھ

مذہب آریہ اور قدامت وید کے متعلق بحث

عبارت متن دیباچہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۵ سطر ۲۱ و ۲۲

"اور چودھویں باب کے اختتام پر آریوں کے سناتن (قدیمی) ویدوکت دھرم کی خصوصیت سے تشریح کی گئی ہے۔ جس پر میرا پورا یقین ہے۔"

جواب:۔ اس جملہ میں ہمیں آریوں کے قدیمی وید کے مطابق دھرم اور لفظ یقین سے بحث ہے۔ لہٰذا ہم مذہب آریہ اور ان کے ویدکی قدامت کے متعلق ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ تاریخی مضامین اور ہمارے پیش کردہ دلائل پر لحاظ کرتے ہوئے آریہ مذہب اور ویدکی قدامت پر غور فرمائیں۔

حوالجات تاریخی

ہندوستان میں آریوں سے پہلی آباد قومیں

خلاصہ از تاریخ ہند مصنفہ مارسڈن صاحب بہادر مترجمہ لالہ جیارام صاحب ایم۔ اے

ہندوستان میں قدیم زمانہ میں کولی اور دراوڑ دو بڑی قومیں (جن کی نسلوں سے اس وقت تک بھیل۔ سنتھال۔ گونڈ اور کھانڈ پائے جاتے ہیں) آباد تھیں۔ ان کے بعد تورانی اور منگول آکر آباد ہوئے۔

آرین قوم کی آمد

زاں بعد آرین قوم ترکستان سے نکلکر ایران کو اپنے نام سے مشہور کرتی ہوئی ہندوستان کے گوشہ شمال میں آ بسی جس کو اندازاً چار ہزار سال کا زمانہ ہوا۔ یہہ لوگ مویشی پالتے اور کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ اور پیتل کے ظروف اور ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ جو آجتک رائج ہیں کول اور دراوڑ سے لڑ بھڑ کر انہوں نے کچھ ملک حاصل کر لیا تھا۔ جسکو یہہ فاتحانہ طور پر اپنا ملک کہنے لگے۔

تصنیف وید اور آرین اعتقادات

ان لوگوں کی سب سے پہلی تصنیف رگوید کے کچھ منتر ہیں۔ (جو سنسکرت سے علیحدہ ویدک زبان میں تھے۔) زاں بعد یجروید جو قربانی جانوران کے متعلق تھی۔ پھر سام وید اور اتھروید تصنیف کئے گئے پھر ان میں براہمن ارنیک اپنشد کا اضافہ ہوا۔ یہہ سب خاص کلام الٰہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان کو سرتی کہتے ہیں۔ اس وقت بھی یہ لوگ اگنی دیوتا وغیرہ کو پوجتے تھے لیکن جب پنجاب میں زراعت وغیرہ کے کام شروع کئے تو اندر دیوتا کی پرستش بارش کی وجہ سے بہت زیادہ کرنی پڑی۔ ان کا عقیدہ تھا۔ کہ بعد مرنے کے روح ہوا اور آسمان پر سے ایک نورانی طبقہ میں جاتی ہے۔ اس کے حاکم کا نام یم ہے۔ جو پرستش اعمال بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر آسمان کے حاکم سورج۔ ہوا۔ گرج۔ شفق وغیرہ کو دیوتا مان کر پوجتے تھے۔ گنگا اور سرستی کے درمیان کے لوگوں کو دیوتا مانتے تھے۔ [جیسا کہ منوسمرتی ادھیائے ۲ شلوک ۱۷ میں تحریر ہے۔ دیوتاؤں کی ندی جو سرستی اور کھدتی (گھگر) ہے ان دونوں کے بیچ جو ملک ہے اسکو آریہ ورت کہتے ہیں] ہمیں اسمیں شک نہیں کہ رگوید کے کل منتر تصنیفات میں سے ہیں۔ مگر ان میں سے بہت سے الہامی

یاد نہیں کہ اُس وقت تک اُن لوگوں کو لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا۔ ان منتروں کا دارومدار حافظہ پر منحصر تھا۔ کچھ منتر یہ لوگ ترکستان سے یاد کئے ہوئے آئے تھے۔ جو پہلی تصانیف سے متعلق ہیں۔ اور جن منتروں میں دریائے سندھ کا اکثر ذکر ہے وہ پنجاب میں آنے کے بعد تصنیف کیے گئے۔ بالکل آخر زمانہ کے وہ منتر ہیں جن میں دریائے گنگ کا ذکر صرف دو مرتبہ آیا ہے۔ جو معلومات آرین اور تصنیف وید کا پورا پورا پتہ دیتے ہیں۔ ایک مدت کے بعد آریوں میں قومیت کی تمیز اُن لوگوں کے ذریعہ سے پیدا ہوئی۔ جو ویدکے منتروں کو حفظ کر کے برہمن کے نام سے اپنی ایک قوم علیحدہ بنا بیٹھے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ قوم تمام ہندوستان میں کول اور دراوڑ قوموں پر غلبہ پاکر پھیل گئی۔ نئے نئے منتروں کی تصنیف کے سبب سے دریائے گنگا و جمنا کے درمیانی قطعے کا نام برہم رشی ویش رکھا۔

ہندوستان کی قدیم آباد قوموں کے نام

خلاصہ از مختصر تاریخ اہل ہند حصہ اول مصنفہ جناب آنریبل ڈاکٹر ڈبلو ڈبلو ہنٹر صاحب بہادر مترجمہ آر۔ پی۔ ایچ گرفتھ صاحب بہادر ایم اے مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۸۹۶ء ہندوستان میں سب سے پہلے جو قومیں آباد تھیں اُن کے یہ نام ہیں۔ موم خوار جو جزائر انڈمن میں رہتے تھے۔ پلمیاں مدراس کے پہاڑی فرقے۔ پتہ پوش نواح اڑیسہ کے رہنے والے لوگ۔ کوہ ہمالیہ کے فرقے۔ سنتھال گونڈ۔ کھانڈ۔ تبتی برہما کے فرقے۔ کولاری۔ دراوڑ۔ گورکھا۔ یہ سب فرقے آریہ قوم کے ہند میں داخلہ سے پیشتر آباد تھے۔ ان کو آریہ لوگ دسیو یعنی دشمن یا داس یعنی غلام کہتے تھے جن کا ذکر اکثر رگوید کے اُن بھجنوں میں آیا ہے۔ جو ہندوستان میں آکر تصنیف کئے گئے ہیں۔

ایرین قوم کی آمد اور تصنیف وید

آریہ قوم شمال و مغرب کی جانب سے ہند میں داخل ہوئی۔ اس آریوں کی آمد کا حال رگوید کے بھجنوں میں مشرح درج ہے۔ جن جن چیزوں پر آریوں کو اختیار نہ تھا۔ مثلاً بارش صبح

چاند ستارے۔ ہوا۔ آگ ان سب کو دیوتا جانتے تھے۔ اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ اور ان میں قربانیاں گذرانے کا بھی رواج تھا۔ جیسا کہ رگوید۔ یجروید میں اکثر مذکور ہے۔

ہندوستان کا ہند نام ہونے کا سبب بحوالہ انجیل مقدس

آثار الصنادید مصنفہ سر سید احمد خان بہادر۔ بحوالہ انجیل مقدس پیدائش باب ۱۰ درس ۲۷ میں تحریر ہے۔ ہدورام (ہندورام یا ہند) ابن یاقطان ابن فلج ابن عبر (ہود) ابن صالح ابن ارفکد (ارفخشد) ابن سیم (سام برادر حام) جو دو ہزار سال قبل مسیح ہندوستان میں آیا جس کے نام سے اب تک اس ملک کا نام ہند مشہور ہے۔

ایضاً بحوالہ تاریخ فرشتہ

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ جس سے چند سطور ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں۔ حام بامر پدر عالی مقام متوجہ ارض جنوب گشتہ در معموری آن ملک سعی بلیغ نمود و از وے شش فرزندان بوجود آمد یکے ہند دیگرے سند سوم حبش چہارم افرنج پنجم ہرمز ششم بویہ بود ممالک مذکور بنام ایشان موسوم گشتہ اما پسر ارشد حام (برادر سام) کہ ہند نام داشت بملک ہند کہ بدو موسوم است شتافتہ توجہ بر معموری او گماشت و برادرش سندھ در ملک سندھ فروکش کردہ شہر ٹھٹھہ و ملتان باسم فرزندان خود بنا کرد و ہند را چہار پسر ہم رسید کہ یکے از انہا پورب نام داشت و دوم بنگ و سوم دکن و چہارم نہروال و ہر یک ملکے دیارے کہ بالفعل بنام ایشان مشہور است آبادان گردانیدند و دکن بن ہند را سہ پسر بوجود آمدہ ملک دکن را با ایشان قسمت نمود اسم انہا مرہٹ و کنہر و تلنگ بود و اکنون کہ این سہ قوم در دکن موجود اند از نسل ایشانند و نہروال را نیز سہ پسر بوجود آمدہ بہروچ و کنباج و مالراج نام گذاشت و شہرہا بنام ایشان آباد ساخت و بنگ را ہم فرزندان پدید آمدہ ملک بنگالہ صفت معموری پذیرفت

ویپورب بن ہندرا کہ ولدار شد بود چہل و دو پسر بہم رسید و وراند ک فرصت اولاد ایشان بسیار شدند آنگاہ یکے از میان خود بر وی برداشتند و در انتظام ملک سعی وافر داشتند و نام او کشن بود

واقعات تاریخی پر مکرر نظر

واقعات تاریخی مذکورالصدر سے صریحی طور پر ثابت ہوتا ہی۔ کہ سب سے پہلے ہند نے (جس کی اولاد سے بھیل۔ سنتھال۔ گونڈ۔ کھانڈ اور تلنگے وغیرہ موجود ہیں) اس قطعہ ارضی کو جس کا نام ہند رکھ لیا تھا۔ آباد کیا از ان بعد آرین قوم نے ایران سے آکر ہندوستان کو بجائے ہند اپنے نسبتی نام آریہ ورت سے شہرت دینا چاہا۔ مگر چونکہ اصلی نام بہت پہلے قائم ہو چکا تھا۔ اس لئے یہہ بعد کا رکھا ہوا نام زبان زد خاص و عام نہ ہو سکا جس طرح بنگ سے بنگالہ اور سندھ سے سندھ و دکن سے دکن وغیرہم رکھے ہوئے نام آج تک باوجود مٹانے کے صفحہ تواریخ عالم سے نہ مٹ سکے۔

ہندوستان میں آریہ بادشاہت کا زمانہ

قدامت وید کا پتہ چار ہزار سال سے قبل نہیں چلتا جس کی نسبت تاریخ فرشتہ میں تحریر ہے کہ راجہ کشن جو ہند بن حام کی اولاد سے تھا اُس کی نسل میں حکومت پانچسو برس تک قائم رہی بعد ازاں آرین قوم نے (جو ہند میں ایران سے آکر آباد ہو چکی تھی) باعانت رستم پہلوان راجہ فیروز رائے ہندی کو زیر کر کے سورج کو سلطنت ہندوستان کا مالک بنا دیا۔ یہہ سورج آرین قوم کا سب سے پہلا راجہ ہے۔ جو ہندوستان میں ہوا جس کو ساڑھے تین ہزار سال کا زمانہ ہوتا ہی اور یہی زمانہ وید کی تصنیف کا ہی۔ جس کا ذکر اوپر لکھا جا چکا ہی۔

قدامت وید و مذہب آریہ کی بدلایل تردید

اب ہم عقل کی کسوٹی پر جانچتے ہیں کہ وید اور وید وکت مذہب آریہ قدیم ہو سکتے ہیں یا

نہیں۔ قدیم اس کو کہتے ہیں جو پیدائیش۔ فنا۔ بننے۔ بگڑنے سے بری اور ہمیشہ سے ہو۔ اگر وید اور مذہب آریہ دونوں قدیم ہیں تو سوامی جی کے یہاں پانچ چیزیں قدیم ہوتی ہیں وید۔ آریہ قوم پرکرتی۔ جیو آتما۔ پرماتما اور چھٹا سوامی جی کا قانون ایجاد بندہ مگر تین کو مانتے ہیں باقی ندارد۔

اگر وید قدیم ہے۔ اور مذہب آریہ کے لوگ بھی قدیم ہیں تو پرماتما سے اُن کا تعلق ہی نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ ساتھ ساتھ کا پیدائشی قدیمی تعلق ہو۔ اگر لفظ قدیم سے سوامی جی کوئی اور خاص معنی لینا چاہتے ہیں۔ تو ممکن ہے کہ روح اور مادہ کو بھی ایسا ہی قدیم جانتے ہوں۔ جیسا وید اور قوم آریہ کو۔ اور اگر صرف وید قدیم ہے۔ اور خلقت عالم کا ظہور بعد وید ہوا تو اُس عرصہ تک جو عالم کی پیدائیش میں صرف ہوا وید بیکار محض رہی جو فعل عبث ہے۔ کوئی قانون اُس وقت تک نہیں بنایا جاتا جب تک کہ وہ لوگ نہ ہوں جن پر نفاذ قانون ہو سکے۔ اور اگر قوم آریہ بھی قدیمی ہے۔ کیونکہ صرف قانون مذہب ہونے سے نسبت بلا منسوب کا نقص لازم آتا ہے۔ جو ناممکن ہے تو دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اب یہہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایسی حالت میں وید کے لکھنے اور پڑھنے پڑھانے والے لوگ کون تھے۔ کیونکہ انسان عالم ابتدائی میں علوم سے بے بہرہ اور جاہل ہوتا ہے۔ اور جب تک وہ قانون سمجھنے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ جملہ قوانین کی پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ اور یہہ قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ اُس وقت تک کوئی قانونی تکلیف کسی شخص کو نہیں دیجاتی جب تک کہ وہ مکلف بننے کی حیثیت پیدا نہ کرلے۔ چنانچہ جب انسان سن بلوغ کو پہونچتا ہے تب ہی خواہ خدائی قانون ہو یا دنیاوی اس کو اپنے شکنجے میں کستا ہے۔ مگر دیانندی پرمیشور نے یا تو وید مقدس کو ٹائپ رائٹر میں ٹائپ کر کے مکمل کتاب کی صورت میں بھیجا یا کسی آریہ رشی کے دماغ کو وید کے گراموفون کا ریکارڈ بنا دیا۔ اور سوامی جی کے نیائے شاستر کے مطابق یہہ دونوں کام ایشور سے ہو نہیں سکتے۔ لہذا دونوں صورتوں میں وید کلام الٰہی نہیں ہو سکتا

تاریخ عالم اس امر کی شاہد ہے۔ کہ پہلے انسان اپنی لاعلمی کی وجہ سے وحشیانہ طور پر زندگی بسر کرتا تھا۔ تہذیب و اخلاق کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔ کیا آریہ صاحبان کا خدا ایسا

ناقص العقل تھا۔ کہ نیم وحشی انسانوں کے لئے بھی وہی قانون بنا دیتا۔ جس کو مہذب زمانہ میں جاری کرتا۔ خواہ اُس قانون کو وہ بولتے چالنے جانور سمجھتے یا نہ سمجھتے۔

مقتضائے عقل و دانش عقل کل تو یہ تھا۔ کہ جوں جوں عقل و تمیز انسانی مشاہدات و محسوسات کا تجربہ کر کے بڑھتی جاتی۔ ووں ووں اس کو قانونی سلاسل میں جکڑ بند کیا جاتا۔ ہمارے خیال میں تو وہ پرمیشور ہی ناقص العقل کیا معنی لا یعقل ہی جو اپنے خلق کردہ انسانی طبائع کے رنگ اور عقول و امتیازی اندازے کو نہ پہچان سکے۔ سوامی جی صاحب کو آنکھیں کھولکر قانون قدرت کو دیکھنا چاہیئے تھا۔ کہ اس کا قاعدہ کیا ہی اور انسان اُس سے کب مستفیض ہو سکتا ہے۔

قانون الٰہی کا قاعدہ نزول

اگر اس ویانندی پرمیشوری قانون کے مقابلہ میں دیکھا جاتا ہی۔ کہ حقیقی خدائی قانون کا قاعدہ نزول کیا ہی۔ تو معلوم ہوتا ہی کہ انسانی علمی ترقی کے ساتھ ساتھ قانونی جکڑ بندیاں بھی عائد ہوتی گئیں چنانچہ حضرت آدم ابو البشر علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ کلیم اللہ تک کوئی خاص قانون کسی کتاب کی صورت میں نہیں بنا۔ بلکہ تھوڑا تھوڑا قانون اکثر انبیا علیہم السلام کے پاس بذریعہ وحی نازل ہوا جسکو صحیفہ کہا جاتا ہی جب اُمت موسوی میں قانون کے سمجھنے اور اسپر عمل کرنیکی قابلیت پیدا ہوگئی تب وہ قانون کتاب کی صورت میں (جسکا نام توراۃ ہی) حسب الحکم موسیٰ کلیم اللہ نے مرتب کیا اگرچہ تب وہ قانون مکمل نہ تھا۔ گو اس زمانہ کے لوگوں کیلئے کامل کیا بلکہ اکمل تھا کیونکہ اُنکی عقل اُسی کے قبول کرنیکی صلاحیت رکھتی تھی ازاں بعد زبور جو حضرت داؤدؑ کے وقت میں مرتب ہوئی۔ پھر انجیل مقدس اسوقت کے لوگ بمقابلہ پہلے لوگوں کے بہت زیادہ مکلّف نظر آتے تھے۔ لہذا اُن کیواسطے قانون الٰہی بھی انکی طبیعتوں اور عقول کا اندازہ کرتے ہوئے نازل ہوا جسکا نام انجیل مقدس ہی اس کو حضرت عیسیٰ نے مرتب کیا سب سے آخری کتاب اللہ فرقان ہی جس میں کل رطب و یابس موجود ہیں اور یہہ مکمل قانون الٰہی کا نمونہ ہی جو پیغمبر اسلام محمد المصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے برائے ہدایت

ہوا۔ چونکہ اب عقول انسانی میں کمال پیدا ہو چکا تھا اور یہ پورے طور پر مکلف بن چکا تھا۔ لہٰذا اس کے لئے قانون بھی کامل ہی ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ ظہور میں آیا اور ساتھ ہی ساتھ کلام اللہ نے اپنے کامل ہونے کا دعویٰ بھی خود ہی پیش کر دیا جیسا کہ آیہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ سے واضح ہوتا ہی

زمانہ ست یگ وغیرہ کی تردید اور وید کے کلام الٰہی نہ ہونیکی دلیل

علاوہ ازین سوامی جی چار زمانوں کو (جن میں مابہ الامتیاز فرق پایا جاتا ہی) مانتے ہیں۔ ست یگ ترتیا یگ۔ دواپر یگ۔ کل یگ۔ ہم کہتے ہیں کہ دنیا ایک زمانہ ہی جو چار زمانوں پر منقسم ہوتی ہے۔ ابتدا۔ تزائد۔ انحطاط۔ انتہا۔ ست یگ دنیا کی پیدائیش کا ابتدائی زمانہ ہی۔ اور یہہ امر مسلمیہ ہے کہ ابتدا میں سوائے نقص کے کمال حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں اکتسابی سلسلہ ضرور جاری رہتا ہی۔ پھر ہمیں تعجب ہے کہ ابتدائی آفرینش عالم میں جب کہ انسان نیم وحشی تھا۔ نفاست اور کاملیت کی کہانی اُس کی نسبت کہاں تک درست ہی۔ ست یگ کے قریب قریب ہی زمانہ تزائد کا حال ہی (جس کو ترتیا یگ کہتے ہیں) مگر تزائد کا آخری اور انحطاط کا شروع دور (جس کو دواپر یگ سمجھنا چاہیئے) انسانی کاملیت کا بہترین زمانہ ہو سکتا ہی۔ اس کی نسبت جو کچھ بھی کہدیا جائے درست ہی۔ کیونکہ اس میں انسان کو جملہ علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع مل چکا تھا۔ مگر یہہ وید جس کے احکام ہمیں آج بھی ناقص ہی نظر آتے ہیں۔ اُس کامل زمانہ میں کیا کارآمد ہو سکتے تھے۔ رہا زمانہ انتہائی جس کو کل یگ سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ یہہ بالکل ابتدائی زمانہ کے مطابق ہوتا ہی۔ تمام علوم بسبب ضعف قویٰ انسان کے دماغ سے محو ہو کر یہہ بیچارہ اُسی ابتدائی زمانہ کی طرح ٹھوٹ اور جاہل رہجاتا ہی۔ اور اس کل یگ کی کل کل اُس کی کل کل ڈھیلی کر دیتی ہی اس زمانہ کے افعال بھی قریب قریب ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے ابتدائی وقت میں تھے۔ اس صورت میں زمانہ کل یگ میں بھی وید بیکار ہی رہی۔ کیونکہ بقاعدہ منطق اس آخری زمانہ کے افعال ست یگ جیسے ہونے چاہئیں جس میں وید کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ارباب عقل و ہوش کے نزدیک یہ امر کسیطرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتا کہ وید کا نزول بجائے بولتے چالتے انسان کے مٹی یا آگ یا ہوا پر ہو گیا ہو جس میں نہ قوت کلام ہے نہ طاقت فہمید۔ اگنی اور وایو وغیرہ پر نزول وید کی من گھڑت کہاوت کو صحیح بتانا ایسا ہی جیسے چڑے اور چڑیا کے کھچڑی پکانے کی کہانی پر یقین لانا۔ کیا کوئی صاحب عقل اس بات کو مان سکتا ہی۔ کہ اُس نے ہوا یا آگ سے باتیں کی ہوں یا اُن میں کوئی ایسی ذاتی قوت ہو سکتی ہی۔ جو وہ کسی بات کو سمجھا سکیں یا نہ سمجھنے والی چیزوں پر اس کتاب کا نزول ہو جو کتاب کسیقدر سمجھنے کے قابل ہو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگنی وایو وغیرہ آدمیوں کے نام ہیں جو رشی تھے۔ تو یہہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس امر کی کیا شہادت ہی کہ وید کلام ربانی ہی ان رشیوں کا کلام نہیں کیونکہ یہہ عام قاعدہ ہی۔ کہ ہر کتاب اپنے مصنف کی خود گواہ ہوتی ہی۔ اور ہر مصنف اس کی تصنیف کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ اور وید ان تمام عوول کی صداقت کے واسطے کوئی دلیل نہیں رکھتی تو گویا وید ایک ایسی جھل اور گونگی کتاب ہے جو اپنے مصنف کا نام بھی صحیح نہیں بتا سکتی۔ ایسے نام کے رشیوں کے متعلق اس کی تصنیف کا کیا گمان کیا جا سکتا ہی۔ جن میں گویائی نہ ہو۔ یہہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ گونگا کسیکو کیا پڑھا سکتا ہی۔ اور اندھا بھولے ہوئے کو راستہ کیونکر بتا سکتا ہی۔ نہ وید میں کوئی شہادت اس قسم کی پائی جاتی ہی۔ کہ وہ کس وقت؟ اور کس پر؟ کہاں؟ اور کیونکر نازل ہوئی؟ سوائے سوامی جی کے زبانی دعووں کے اور کوئی تحریری یا تاریخی ثبوت وید مقدس کے متعلق نہیں پایا جاتا۔ واقعہ یہہ ہی۔ کہ جہاں برہمنوں کے اور ہتکنڈوں نے تمام ہندوؤں کو اپنا معتقد بنا لیا تھا وہاں ایک یہ بھی ہتکنڈہ تھا۔ کہ ایک بے نام کی کتاب تصنیف کر دی جائے۔ جس کا جادو تمام ہندوستان پر اچھی طرح مسلط ہو جائے چنانچہ یہہ خیال ان کا ایک حد تک صحیح نکلا اور یہہ ترکیب کارگر ہو گئی ایک قسم کے انسانوں کو چار طبقوں میں منقسم کر دینا یا گانے اور ناچنے وغیرہ کو جو اخلاقاً عیب میں داخل ہے۔ مذہبی فرض سمجھنا یا آگ وغیرہ کے ہون کے ذریعہ سے پوجا کرانا یا سب سے پہلی روٹی اپنی بتانا یہہ سب مثالیں اسی قبیل سے ہیں۔ جیسے اگنی وایو وغیرہ پہ ویدوں کا نزول

یقین پر بحث

ہم وید سے بھی قدامت وید کا ابطال ثابت کرتے مگر اس بحث کو ہمارے اکثر معاصرین بصراحت بیان فرما چکے ہیں۔ اس لئے ہم کو اس کے دوہرانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اور اسی ابطال کو جواز روئے معقولات و منقولات مسلّمہ ہے۔ کافی سمجھتے ہیں۔ اور اب سوامی جی کے یقین کیجانب رجوع کرتے ہیں۔

یقین کی مثال

یقین کے لغوی معنی بے شبہ ہیں۔ اور اصطلاحی معنی حقیقتاً یہ ہیں۔ جو ہم بیان کرتے ہیں انسان تخیلات و توہمات کا فوٹو ہے۔ جو عالم طفولیت سے تمام محسوسات کو خیالی خزانہ میں جمع کر کے متصرفانہ طور پر یاد رکھتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گراموفون کے ریکارڈ میں خواہ ٹھمری ہو یا ٹپہ غزل ہو یا دادرہ جو کچھ بھی بھر دیا۔ اپنی مدت (گارنٹی) تک وہی گاتا ہے۔ جو اس میں بھر گیا۔ بعینہ یہی مثال دماغ انسانی کی ہے۔ جو اس کے ذہن نشین ہو گیا ہو گیا۔ اور اس راگ کا نام جو اُسکو یاد ہے یقین ہے۔ یوں تو دنیا میں ہر مسئلہ کے متعلق ایسے دلایل اور تاویلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جو اُس کی ہست کو نیست اور نیست کو ہست بود کو نابود اور نابود کو بود کر سکیں مگر حقیقت پر خاک ڈالدینے والی چیز یہی کمبخت یقین ہے۔ جو انسان کو تعصب کے رنگ میں رنگ کر صراط مستقیم سے دُور ڈالدیتا ہے۔

یقین ہی معقولات کو جھوٹ۔ منقولات کو سچ۔ مشاہدات[۵۱] عینی کو غلط۔ اور مسموعات[۵۲] سماعی کو صحیح بنا دیتا ہے۔

یقین ہی محتاج پرمیشور کی پرستش۔ وید کی قدامت۔ نیوگ اور ایسے ہی بڑے کاموں کی پیروی۔ گنگا مائی کی عزت۔ آتشی ہون کی پوجا۔ برہمچرج کی آبرو۔ اور دوسری قوموں کو جو دید کو جھوٹا سمجھتی ہیں۔ ممالک مسکونہ سے خارج کر دینے کا سکہ ذہن میں بٹھاتا ہے۔ مرزا غالب مرحوم نے

اپنے ایک شعر میں انسانی تخیلات کی صحیح تصویر اس طرح کھینچی ہے۔ شعر

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال + ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہو

سوامی جی اور اُن کا یقین

یقین رکھنے والا شخص کبھی اپنے کسی جھوٹ کو جھوٹ اور دوسروں کے سچ کو سچ نہیں مانتا۔ لہذا محقق ہونے کی حالت میں (جیسا کہ سوامی جی نے اپنے آپ کو لفظ محقق سے تعبیر کیا ہی) یہہ کہدینا کہ میرا پورے طور پر کسی مذہب پر پورا پورا یقین ہی۔ لفظ محقق غلط ہے۔ بلکہ متعصب کہنا صحیح معلوم ہوتا ہی۔ اور متعصب اپنی ہٹ دھرمی۔ ضد۔ جہالت کی وجہ سے راہِ حقیقت کو کبھی نہیں پا سکتا بنا بریں ستیارتھ پرکاش سے لفظ محقق ہی کو نہیں اڑانا چاہیئے۔ بلکہ اسکی تمام تحقیقات کو جو اُس کے یقین اور تعصب پر مبنی تھی۔ بالکل لغو اور دروغ سمجھنا چاہیئے۔

یقین کی بنا پر سچ اور جھوٹ کی ماہیت کا اظہار

عبارت متن صفحہ ۵ سطر ۲۳ - ۲۴ از دیباچہ

اِس کتاب کی تصنیف سے میرا اصلی مقصد صداقت کا اظہار ہے۔ یعنی سچائی سچائی اور جھوٹ جھوٹ ہی بیان کرنا۔ مین نے راستی کا اظہار سمجھا ہے۔

جواب یقین رکھنے والا شخص کبھی سچ اور جھوٹ کی ماہیت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ بلکہ بلا تحقیق تقلید سخن کرتا ہی۔ ایسی مثالیں ہزاروں کیا کروڑوں عالم میں موجود ہیں۔ جس کی صریح مثال اس سے بہتر نہیں مل سکتی۔ کہ اگر خدائے واحد (جس کو فی زمانہ دنیا کا بڑا حصّہ خلاقِ عالم مانتا ہے) صاحب وجود ہے۔ تو بلحاظ وحدانیت مذہب حق بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ مگر دنیا میں بہت سے مذاہب اور بیشمار فرقے ہیں۔ اور سب کے سب اپنے آپ کو خدائی مذہب میں شمار کرنے کے مدعی۔ اس صورت میں کہا جائیگا۔ کہ سوائے ایک حقیقی مذہب کے سب جھوٹے اور ضرور جھوٹے ہیں اور جب یہ امر مسلمہ ہی

تو قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر وہ کونسی چیز ہے۔ جو حق و باطل میں شکل امتیازی پیدا نہیں ہونے دیتی۔ بس وہ یہی بیماری ہے۔ جس کا نام یقین ہے۔ افسوس سوامی جی جیسا معروف شخص غیر حقیقی مذاہب سے ایک مذہب پر یقین کر کے اپنے آپ کو سچا جانتا تھا۔ حالانکہ اُس نے بہت سی ٹھوکریں کھائیں اور سخت غلطیوں میں پڑ گیا تھا۔ یہاں تک کہ مولفات وید وغیرہ کو تصنیفات سے تعبیر کرنے لگا۔ سماجی صاحبان کا گمراہ کر دینا اسی غلط یقین والے شخص کا کام تھا جس کو سچ اور جھوٹ میں فرق نہ معلوم ہوسکا۔ ورنہ کجا ویدک دھرم اور کجا راستی۔ اشعار از مصنف

دیوانہ خمار مئے بت پرست ہیں ٭ ہیں کتنے باشعور تخیل میں مست ہیں
لے دے کے اک دلیل فقط رہ گئی ہے یہ ٭ ہم مانتے ہیں وید کو ہم حق پرست ہیں

رُوح کے افعال کی تردید

عبارت متن صفحہ ۱۱ سطر ۴-۵ از دیباچہ ستیارتھ پرکاش

اگرچہ انسان کا آتما سچ جھوٹ کا جاننے والا ہے۔ لیکن پھر بھی اپنی مطلب براری ہٹ دھرمی ضد اور جہالت وغیرہ برائیوں کی وجہ سے سچائی کو چھوڑ کر جھوٹ کی طرف جھک جاتا ہے۔

جواب۔ آتما روح کو کہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ جو شخص محقق ہونے کا دعویدار ہو وہ علوم جسمانی سے (حالانکہ خود مجسم ہے) اس قدر ناواقف ہو کہ روح کو سچ اور جھوٹ کی کسوٹی سمجھتا ہو۔ حقیقتاً محسوسات و ادراکات کی تصدیق و تکذیب کرنا دماغی قوت واہمہ کا فعل ہے جو روح کی ادنیٰ خادمہ ہے واہ رے قابلیت خادم کے فعل کو مخدوم کا فعل گردانا سوامی جی کا ہی کام ہے۔ تحقیق مذہب کچھ آسان بات نہیں سچ ہے جو شخص اپنی اصلیت سے واقف نہ ہو وہ دوسروں کی تلاش کیونکر کر سکتا ہے۔ پہلے سوامی جی علم الابدان حاصل کر لیتے ہیں تب ادیان کی طرف رجوع کرتے تو بہتر ہوتا اس حالت لاعلمی میں سوامی جی اس شعر کے مصداق ہیں۔

علم بدن کا عالم نہ ہوا … وید کا علم … عالم دین کا

تو کار زمیں را نکو ساختی ؛ کہ بر آسمان نیز پرداختی

سچّا اعتراض جھوٹ کی کسوٹی ہے

عبارت متن صفحہ ۶ سطر ۱۱ الغایتہ ۱۶ از دیباچہ

اگر کوئی شخص تعصب کی راہ سے فضول اعتراض یا نکتہ چینی کریگا تو اس پر کچھہ توجہ نہیں کی جائیگی ہاں اگر وہ نوع انسان کا خیر خواہ ہوکر کچھہ بتادے گا۔ تو سچ ہونے پر تسلیم کیا جاویگا۔ آج کل ہر ایک مذہب میں بہت سے علما ہیں اُن کو چاہیئے کہ تعصب کو چھوڑ کر عالمگیر اصولوں کو اختیار کریں یعنی جو باتیں سب کے لئے قابل تسلیم ہیں اور ہر مذہب میں سچّی (یکساں) ہیں اُن کو مانیں اور جو باتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں اُن کو ترک کرکے آپس میں محبت سے برتاؤ رکہیں تاکہ دنیا کو پورا فائدہ پہونچے۔ کیونکہ علما کی باہمی مخالفت سے جہلا میں مخالفت بڑھ کر کئی طرح دُکھ کی زیادتی اور سُکھ کی کمی ہوتی ہے۔

جواب۔ کیا سوامی جی کے خیال میں اعتراض یا نکتہ چینی کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہمارے خیال میں کذب کی تنقید اعتراض صادق ہی کر سکتا ہے۔ جس پر وہ توجّہ ہی نہیں فرماتے افسوس صد افسوس ایسے مذہب اور بانی مذہب کے اقوال پر کہ جو کسی اعتراض کا جواب ہی نہ دیسکے اور عدم توجہی سے ٹال جائے۔ یہہ کہنا کہ جو شخص خیر خواہ نوع انسان ہوکر کچھہ بتائے وہ قابل تسلیم ہے۔ صرف برائے گفتن ہی کیونکہ جب غیر مذاہب کے لوگون کو ملک تک سے خارج کردینے کا حکم سوامی جی صفحہ ۹۴ سیتیارتھ پرکاش میں دیگا چکے ہیں۔ (جو مخالفت جاہلانہ کا پورا پورا ثبوت ہے) تو پھر خیر خواہ ہی خیر خواہ ہونگے بدخواہ اور نکتہ چین کہاں ہون گے جو اعتراض کر سکیں بہتر ہوتا کہ سوامی جی صاف صاف الفاظ میں یہہ لکھتے کہ جو شخص سماجی

ہو کر ہماری منشار کے موافق کچھ بتائیگا۔ وہ قابلِ تسلیم ہوگا۔

جہالت اور سوامی جی کا حکم

علم کی صفات میں افضل ہی۔ کہ وہ انسان کو برائیوں اور جہالت کے کاموں سے پاک کردے اور جب انسان ایسا علم حقیقی (جو عیبوں سے پاک کرتا ہو) حاصل کرکے عالم بن جاتا ہی تو پھر اُس میں مخالفت کا مادّہ (جو دلیل جہالت ہی) نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ہم اپنے علمار کو اس بُری صفت سے بری دیکھتے ہیں۔ مگر سوامی جی اپنے علما میں اس مذموم صفت کو قایم جانتے ہیں۔ جن کو ہم بلحاظِ قیام صفت جاہلانہ کسیطرح علمار نہیں کہہ سکتے۔ رہا دُکھ سُکھ اس کا فیصلہ سوامی جی کا وہ حکم صریحی طور پر کرتا ہی۔ جو غیر مذاہب کے لوگوں کو ملک سے خارج کرنے کے متعلق اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ہمارا دعویٰ

ہمیں یہ خوف ہی کہ ہماری اس نیک صلاح کو آریہ بھائی اغراض یا نکتہ چینی ہی نہ سمجھ لیں ہم ان کو وہ سچی باتیں بتاتے ہیں جو ہر مذہب کی کسوٹی پر کھری اُتریں اور معقول ہوں۔ خواہ اس وقت ازراہِ تعصب وہ نہ مانیں۔ مگر ہمارے پیش کردہ مسائل کو کسی نہ کسی وقت رفتہ زمانہ اور زمانہ اُنہیں منوا کر رہیں گے۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ یہ اصول ان کو ایک نہ ایک دن مذہب حقیقی اسلام کی جانب کھینچ ہی لائیں گے۔ از مصنّف

اُٹھا لائیں گے اک دن دیکھ لینا بزم دشمن سے ؎ دکھائیں گے تمہیں ہم جذب کامل دیکھتے جاؤ

سوامی جی کے یقین کی بنار "ویدہ" تھی

عبارت متن صفحہ، سطر ۱۴ و ۱۵ از دیباچہ

ان بابوں میں (جو آئندہ مذکور ہوں گے) جو کچھ مذہب حقیقی ظاہر کیا گیا ہے۔

وہ وید کے مطابق ہونے کی وجہ سے میرے لئے ہمیشہ قابل تسلیم ہے۔

جواب - اسی قیاسندی تسلیم کو ہم یقین کی بیماری کہتے ہیں چونکہ سوامی جی کو بچپن سے وید کی تعلیم دی گئی تھی۔ جس پر اُن کا پورا پورا یقین تھا اسی لئے وہ ہمیشہ کے واسطے ایسے مرض میں مبتلا ہو گئے جس کا نام تعصب ہے۔ ایسے ہی دماغوں کو ہم اپنی اصطلاح میں گراموفون کا ریکارڈ کہتے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ سوامی جی اسی وید کو اکثر موقعوں پر بالکل غلط سمجھتے ہیں جن کا وہ ذکر ہی نہیں آنے دیتے مثلاً رگوید یا یجروید کے وہ منتر جو قربانی کے متعلق ہیں سوامی جی کے خیال کے موافق غلط ہیں یا انکو کچھ تاویلات کر کے ان منتروں کو دیگر معانی کا جامہ پہنا دیا ہے۔ جن کو ہم آئندہ حسب موقع مفصل بیان کریں گے۔ قدامت اور ہمیشگی کچھ ایسی حفظ بر زبان تھی کہ جس کو سوامی جی موقع بے موقع ہر جگہ استعمال فرماتے تھے۔

مذہبی تعصب اور سوامی جی

عبارت متن صفحہ ۹ سطر ۴ - ۵ از دیباچہ

جو شخص اس کتاب کو اس ارادے سے دیکھیگا جو مصنف کے مقصد کے خلاف ہے اُس پر کچھ مطلب واضح نہ ہوگا۔

متن صفحہ ۹ سطر ۱۳ الغایتہ ۱۷ ۔ بہت سے ضدی متعصب لوگ (ایسے ہوتے ہیں) جو بیان کنندہ کے مدعا کے برعکس فرض کر لیا کرتے ہیں۔ خصوصاً (مختلف) مذاہب کے لوگ کیونکہ مذہبی تعصب سے ان کی عقل تاریکی میں پڑکر دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے جیسا میں پران۔ جینیوں کی کتب۔ بائیبل اور قرآن کو پہلے ہی بری نگاہ سے نہ دیکھکر ان میں سے بھلی باتوں کو تسلیم اور بری باتوں کو ترک کرتا ہوں اور جس طرح نوع انسان کی ترقی کے واسطے کوشش کرتا ہوں ویسا ہی سب کو کرنا واجب ہے۔

جواب۔ اگر سوامی جی قرآن مجید کی کسی ایک بات کو بھی تسلیم کر لیتے تو یقیناً وہ اس گمراہی اور تعصب کے اندھے غار میں نہ گرتے کیونکہ مذہبی تعصب سے ان کی عقل تاریکی میں پڑکر دور ہو گئی تھی۔ اس لئے یہہ کہنا کہ ہم ہر مذہب اور کتاب کی بھلی باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف برائے گفتن ہی۔ یہہ ضرور ہے کہ سوامی جی نے وید سے منتر اور منوسمرتی سے شلوک اپنی منشار کے موافق انتخاب کر لئے مابقی کو (خواہ وہ اصولی ہی کیوں نہوں) جھوٹ کہکر ٹال گئے۔ حتیٰ کہ اُن کا ذکر تک بھی نہیں کرتے۔ یہہ عجیب بات ہے کہ سوامی جی کے یہاں کوئی کتاب بھی (خواہ وہ الہیات میں ہو یا روایات میں) ایسی معتبر و مستند نہیں جس کو اوّل سے آخر تک صحیح اور سچّی سمجھہ سکیں بلکہ ہر کتاب میں وید ہو یا سمرتی کذب اور غلطیاں ضرور پائی جاتی ہیں۔ (اس پر اگر سماجی صاحبان اٹھ اٹھ آنسو روئیں تب بھی کم ہے) اور مخصوص وید تو جملہ احکام مذہبی نہ ہونے سے بالکل ہی ناکمل اور غلط ثابت ہوتی ہے۔

ستیارتھہ پرکاش چند کتابوں کا انتخاب ہے

سوامی جی نے (بقول شخصے کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا) ویشیشک درشن۔ یوگ درشن۔ نیائے شاستر۔ منوسمرتی۔ ویدانت درشن۔ اپ نشد۔ برہمن۔ سشرت وغیرہ وغیرہ کتب کے جابجا سے جملے انتخاب کر کے (جن جملوں کے عبارت متعلقہ میں کچھہ اور ہی معنی ہیں) اپنی منشار کے موافق معانی کا جامہ پہنا کر ستیارتھہ پرکاش میں درج کر دیئے ہیں۔ تمام کتاب میں دس پانچ جگہ صرف رگوید اور یجروید کے چند منتروں کا حوالہ دیا ہی۔ جملہ اقسام کے مضامین صرف وید سے بیان نہیں کئے گئے۔ بلکہ اکثر مضامین اصولی تک یوگ درشن مصنفہ مہرشی پتنجل سے نقل کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہی کہ سوامی جی کی ویدان بیانات میں عاری و قاصر تھی۔ اور یہہ قصور و عاریت دلیل نقص ہی۔ اور کتاب الٰہی نقص سے پاک ہوتی ہے اس صورت میں وید کو پرمیشور کا کلام نہیں کہہ سکتے۔ البتہ قرآن حکیم دعوئی کاملیت پیش کر سکتا

کرسکتا ہے۔ رہا یہ امر کہ جو شخص ستیارتھ پرکاش کو خلاف مقصد مصنف دیکھے اُس پر کچھ مطلب واضح نہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف صاحب کا مقصد صرف اپنے انتخاب شدہ مضامین پر یقین دلاکر اس بیہودہ مذہب کا قبول کرالینا ہی۔ جس کو عقلِ سلیم قبول ہی نہیں کرتی دیگر مذاہب کے لوگوں کو متعصب کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہی۔ جب کہ خود سوامی جی اس بُری اور جاہلانہ صفت سے متصف تھے اگر سوامی جی متعصب ہوتے تو اُن کو کتب الٰہیہ پر جھوٹے اعتراض کرنے کی جرأت ہی نہوتی جس کی واضح مثال ہم درج ذیل کرتے ہیں جو بجائے خود دلیل ہی۔

آیہ کلام مجید سے سوامی جی کے بیان کی تردید

مصنف باب چودہ دین اسلام کے بیان صفحہ ۶۷۹ سطر ۱۶ سورہ رعد پر اعتراض کرتا ہی۔ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَن یَّشَاءُ وَیَھدِیۤ اِلَیہِ مَن اَنَابَ ط جس کے لفظی معنی پر بلا سمجھے بُوجھے اعتراض کرتا ہی۔ کہ جب خدا گمراہ کرتا ہی تو اُس میں اور شیطان میں کیا فرق ہی۔ افسوس سوامی جیسا شخص محقق ہونے کا دعویدار ہوکر یہہ نہ سمجھا کہ سبب گمراہی کیا اور یشاء کا فاعل کون ہے ترکیب نحوی کی بھی خبر نہیں اعتراض کرنے کو موجود ہیں حالانکہ اناب کا فاعل من ثابت ہی۔ مگر یہہ نہ سمجھے کہ یشاء کا فاعل من ہی۔ آیہ ثانی سے ظاہر ہے کہ تحقیق اللہ گمراہ کرتا ہی (ثواب سے بوجہ انکار حق) جو چاہتا ہے گمراہ ہونا۔ یعنی جو شخص گمراہی کی جانب رجوع کرتا ہی۔ اللہ اُس کو اُس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور جو رجوع کرتا ہے۔ اُس کو اپنی طرف ہدایت کرتا ہی۔ آیہ ثانی سے صاف ظاہر ہے کہ جو خدا کی جانب رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت کی جاتی ہی اسی لحاظ سے آیہ اول کے معنی سوامی جی کو سمجھنے چاہئیں تھے۔ کہ اللہ گمراہ کرتا ہے۔ (جو شخص چاہتا ہے گمراہ ہونا) اسیکو علم بیان میں فصاحت و بلاغت حقیقی کہتے ہیں۔ اور اسی سے کلام الٰہی اور کلام انسانی میں تمیز ہوتی ہی۔

جو شخص مثل سوامی جی کے یہہ سمجھے اللہ تعالےٰ دین حق سے گمراہ کردیتا ہی کفر کی جانب

اگر ہم اسکونپٹ اندھا نہ کہیں تو اور کیا کہیں ایسا سمجھنا غلطی در غلطی ہی نہیں بلکہ صراطِ مستقیم سے بھٹک جانے کی دلیل ہی افسوس تعصب اور جہالت نے سوامی جی کو مجبور کر دیا سو یہ نہ سمجھے کہ کلام مجید صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ جو نظر حق بیں وہ دیدہ بصیرت سے کلام الٰہی کو دیکھیگا وہی ہدایت پائیگا اور جو خلاف منشاء الٰہی سمجھا گمراہ ہوا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مضمون (جو شخص خلاف مقصد مصنف کتاب کو دیکھے اُس پر کچھ مطلب واضح نہو) مصنف نے ضرور کلام مجید فرقانِ حمید سے اخذ کیا ہے۔ گو تعصب نے اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا تھا۔ مگر حق برزبان جاری۔ جس کا تتبع مصنف خود کرتا ہی۔ اُسی کی مخالفت پر آمادہ ہو کر معترض ہوتا ہی اسی کا نام تعصب اور ضد ہے۔

سوامی جی کے متعصب ہونے کا ثبوت

آریہ صاحبان بتائیں کہ کیا سوامی جی نے کلام مجید کو خلاف منشاء الٰہی نہیں دیکھا۔ اگر دیکھا تو صریح تعصب اور گمراہی ثابت ہی۔ جو دلیل جہالت ہی۔ اور اگر موافق منشاء الٰہی بری نگاہ سی نہیں دیکھا تو پھر اعتراض کرنا کیا معنی جب کہ وہ خود اسی قول کے پابند تھے۔

بیدِ ڈھنگے رسوم

وید میں مسئلہ نیوگ۔ برہمچرج۔ ہوم۔ گھی وغیرہ اشیا جلا کر جراثیم پھیلانا صرف بیجا۔ افعال واعمال اخلاقی کو داخل اصول مذہب جاننا۔ قانون تمدن و معاشرت کو اصول مذہب قرار دینا خلاف تہذیب ننگے دھڑنگے پھرنا۔ ڈاڑھی مونچھیں منڈوا کر مخنثوں جیسی صورت بنا لینا حالانکہ قدرت نے واسطے شناخت مرد و زن پیدا کی ہیں۔ فقیرانہ بھیس میں برہمچاری بن کر دوسرے لوگوں کی کمائی ہوئی دولت سے حلوے مانڈے اُڑانا وغیرہم کیا بُری باتیں نہیں ہیں۔ اگر بُری ہیں تو سوامی جی نے کیوں نہ ترک کیا۔ سب تو سب دس پانچ نفوس بھی جو عقل سلیم رکھتے ہیں سوامی جی کی ان بیڈھنگی باتوں اور بے تکی ڈھنگوں کو نہیں مان سکتے۔ اور نہ ایسی

لاطائل کوششوں سے کوئی عمدہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہی۔ البتہ ہمارے موافق نتیجہ ضرور نکل سکتا ہے اور وہ یہہ ہوگا کہ سماجی لوگ اس سچی تردید کو دیکھہ کر ان کے طلسماتی پکھنڈ سے نکلکر دین حقیقی کی جانب رجوع کرین گے۔ اور انشاء اللہ تعالے ہماری محنت و کوشش کامیاب ہوگی۔ آمین ثم آمین۔ دیباچہ ختم ہوا

باب اوّل سیتارتھ پرکاش

چونکہ باب اوّل میں سرسوتی جی نے صرف پرمیشور کے نامون کی تشریح کی ہی۔ جس کو وہ برائے نام پرمیشور مانتے ہیں لہذا ہم ان کے بعض بعض جملے (جن پر نمبر دیدیئے گئے ہیں تاکہ ناظرین کو جواب کے دیکھنے میں آسانی ہو) ایک جگہ لکھکر صرف ایک ہی جواب لکھتے ہیں۔

عبارت متن صفحہ ۱۲ سطر ۱۹ و ۲۰ از باب اول

۱؎ پرمیشور کا کوئی نام بے معنی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ ہر نام اپنے معنون کے لحاظ سے کہیں بلحاظ صفت کہیں بلحاظ افعال اور کہیں بلحاظ اصلیت پرمیشور ہی کو ظاہر کرتے ہیں۔ صفحہ ۱۳ سطر ۱۰

۲؎ سب کا رازق اور صاحب اقبال ہونے سے اندر۔ صفحہ ۱۳ سطر ۱۰ ۳؎ سب کی بنائے زندگی ہونے سے پران صفحہ ۱۳ سطر ۱۲ ۴؎ ساری کائنات کا خالق ہونے سے برہما۔ ۵؎ بدکردارون کو ستا کر رلانے والا ہونے سے رودر صفحہ ۱۵ سطر ۱ ۶؎ پرمیشور نہ کبھی پیدا ہوا نہ مرتا ہے۔ صفحہ ۱۶ سطر ۱۱ ۷؎ برہما وشنو۔ مہادیو نام والے۔ عالم و فاضل بزرگ اور دیتیہ وایو وغیرہ نامون والے بلا دمی بھی زمانہ سلف میں (ہو گذرے ہیں) خلاصہ صفحہ ۱۷ سطر ۱۷ لغایت ۲۰ صفحہ ۱۸ سطر الغایتہ ۸ (برہم کے معنی بیان کرتے ہوئے دعائیں طلب کی گئی ہیں) ۸؎ آپ مجھہ ایسے راست باز کی حفاظت کیجئے۔ آپ میرے

محافظ ہو جئے۔ آپ میری ضرور حفاظت کریں۔ اوم۔ شانتی۔ شانتی۔ شانتی اس میں تین دفعہ لفظ شانتی (آمین) پڑہنے سے یہہ مقصد ہے کہ اس دنیا میں تین قسم کے دکھ ہیں ایک ادہیاتمک جو روح وجسم میں جہالت (حد سے پڑھکر) رغبت (ریجا) نفرت۔ بیوقوفی اور بخار درد وغیرہ سے ہوتے ہیں۔ دوسرے آدہی بھوتک جو دشمن بھیڑیا اور سانپ وغیرہ سے پیدا ہوں۔ تیسرے آدھی دیوک یعنی جو حد سے زیادہ بارش حد سے زیادہ سردی حد سے زیادہ گرمی دل اور اندریوں حواس خمسہ کے بے قرار ہونے سے ہوتے ہیں۔ ان تین قسم کی تکالیف سے آپ ہم لوگوں کو بچاکر (کلیان کارک) اچھے کاموں میں ہمیشہ لگائے رکھیئے کیونکہ آپ ہی (کلیان سروپ) برکت والے اور سارے جہان کے اودہارک نجات کے طالبوں کے برکت دینے والے ہیں۔ اس لئے آپ خود اپنی عنایت سے سب انسانوں کے دلوں میں جلوہ گر ہو جئے کہ جس سے سب انسان دہرم پر چلیں اور ادہرم کو ترک کرکے راحت جاودانی حاصل کریں اور دکھوں سے نیچے رہیں صفحہ ۲۰ سطر ۹ پانی اور جیوؤں (جانداروں کا) نام نارا ہی وہ آین یعنی جائے رہائش ہی۔ اس لئے سب جیوؤں میں موجود ہونے سے پرماتما کا نام نارائن ہی خلاصہ صفحہ ۲۶ سطر الغایتہ ۲۴ منگلاچرن سوال جیسے اور مصنف کتابوں کے آغاز۔ درمیان اور اخیر منگلاچرن کرتے ہیں ویسے آپنے کچھہ بھی نہ کیا اور نہ کچھہ لکھا۔ جواب۔ ایسا کرنا ہمیں واجب نہیں کیوں کہ جو آغاز درمیان اور اخیر میں شگون منائیگا تو اس کی کتاب میں آغاز درمیان اور اخیر کے درمیانی حصے میں جو تحریر ہوگی وہ بے شگون ہی رہے گی۔ اس لئے جو پر از انصاف۔ خالی از تعصب۔ راست وید کے مطابق ایشور کی ہدایت ہے۔ اسی پر مناسب طور سے ہر جگہ اور ہمیشہ عمل کرنا منگلاچرن کہلاتا ہے

(سانکہ شاستر) کتاب کے شروع سے لے کر اخیر تک راستی قایم رکھنا ہی منگلاچرن ہے نہ کہ کہیں منگل (نیک شگونی) اور کہیں امنگل (بد شگونی) لکھنا دیکھیئے بزرگ اعلی رشیوں کی تحریر کو تیتریہ اپنشد پر پاٹھک ۷، انوواک ۱۱ میں لکھا ہی اے بچو جو نیک یعنی دہرم کے کام ہیں وہی تمہیں کرنے وجب ہیں بد (کام) نہیں اس لئے جو جدید کتب میں شری گنیشا یہ نمہ۔ سیتارامابھیام نمہ۔ سرسوتی نمہ۔ نارانیا نمہ وغیرہ وغیرہ تحریریں دیکھنے میں آتی ہیں۔ اُن کو دانشمند وید اور شاستروں کے خلاف ہونے کی وجہ سے جھوٹ ہی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وید اور رشیون کی تصانیف میں کہیں ایسا منگلاچرن دیکھنے میں نہیں آتا لیکن آرش گرنتھوں میں لفظ اوم نیز الفظ اس کے بعد اتو دیکھنے میں آتے ہیں۔ دیکھو مہابھاشیہ۔ ویشیشک درشن۔ یوگ درشن وغیرہ وغیرہ کتب کے آغاز میں (یہی الفاظ) ہیں اسیطرح اور رشی منیوں کی کتابوں میں لفظ اوم اتھہ لکھے ہیں اسی طرح (اگنی اٹ اگنی لے تر بناپر ہی نیتی) یہ الفاظ چاروں ویدوں کے آغاز میں لکھے ہیں۔ شری گنیشائمہ وغیرہ الفاظ کہیں نہیں اور جو ویدک پیرو وید کے آغاز میں ہری اوم لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ یہ انہوں نے پران اور تنتر ماننے والوں کی خام خیالی سے سیکھا ہی۔ وید وغیرہ شاستروں کے آغاز میں لفظ ہری کہیں نہیں اس لئے اوم یا اتھہ کا لفظ ہی کتاب کے آغاز میں لکھنا چاہیئے۔ نوٹ کسی کتاب کے شروع میں پرمیشور یا کسی اور اپنے معبود کی تعریف بطور شگن کے کرنا منگلاچرن کہلاتا ہی مترجم

محتاج پرمیشو خلاق کامل نہیں ہو سکتا

جواب فقرہ ۱۲ اگر خدا کے نام باصفت ہیں تو سوامی جی ہمیں یہ تبلائیں کہ ایسا نام جو

پیدائش عالم میں مادہ اور جیو کا (جن کو وہ بنا نہیں سکتا) محتاج ہو گیا وہ خلاق کامل کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہی۔ ہرگز نہیں بلکہ خلاق ناقص ہی۔ صفات اور افعال کے لحاظ سے اُس کو خالق کامل کہنا بے جا ہوگا۔ اس لئے سوامی جی کا پرمیشور برائے نام خالق ہی۔ اپنے میں صفتِ خالقیت نہیں رکھتا۔

محتاج پرمیشور رازق مطلق نہیں ہو سکتا

فقرہ نمبر۲۔ رازق بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تمام خورش زمین پانی ہوا آگ مادیات سے پیدا ہوتی ہی۔ غالباً سوامی جی یہہ فرمائیں کہ ان کی علۃ فاعلی اندر ہے ہم کہتے ہیں۔ کہ اس معللہ میں بلا عناصر کے اندر بے کار ہے لہذا سوامی جی کا رازق کل بھی محتاج و ناقص ہی رہا۔ اور ناقص کا ہر فعل ناقص ہوتا ہی۔ نتیجہ نہ وہ صاحب اقبال ہی نہ رازق۔ یہہ ہے حقیقت آریہ صاحبان کے اندر کی۔

پران اور پرجاپت پر سرسری نظر

فقرہ نمبر۳۔ بنائے زندگی علت مادی ہوتی ہی نہ کہ فاعلی معلوم نہیں کہ پھر پران کا لفظ سوامی جی نے بنائے زندگی کے واسطے کیوں وضع کیا پران کی حقیقت اصل منوسمرتی میں پرجاپت کے معنوں میں ہی جس کے معنی مالک اشکال لکھے ہیں جب مادہ اور جیو جس سے شکل تشکل ہوتی ہی لا اور پرجاپت کے بنائے نہیں بن سکتے۔ تو خواہ مخواہ مالک اشکال کیونکر ہو سکتے ہیں اگر کوئی یہہ کہے کہ پران اسی طرح مالک اشکال ہی جس طرح ہم لوگ اشیا دنیاوی کے مالک ہیں تو یہہ مثال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ عارضی اور حقیقی میں جو فرق ہی وہ سب پر روشن ہی عارضی ملکیت ہماری نہ تملیک ہے کہ ہم اختیار سے زیادہ کام ہی نہیں کر سکتے۔ بگاڑ تو سکتے ہیں مگر پھر ویسا بنا نہیں سکتے اور حقیقی ملکیت اُس کی مالک ہے جس کو تمام وجوہ میں کامل و کافی اختیار

حاصل ہو بگاڑے تو اتنا بگاڑ سکے کہ علت مادی بھی نہ رہے - اور بنائے تو ایسا بنائے کہ بننے والا خود اپنی علت مادی کے پہچاننے میں استعجاب کرے - منوسمرتی میں پران اور پرجاپت کے معنی بیان کرتے ہوئے یہہ بھی لکھا ہی - کہ تمام جسم اور حواس خمسہ پران کے قبضے میں ہیں - جو پرجاپت ہے -

جو شخص پران کو خدا کے نام سے موسوم کر کے صرف علت فاعلی ہی جانتا ہی (مثلاً سوامی جی) اُس سے اگر پوچھا جائے کہ یہہ قبضہ پران کا مادی جسموں پر کس طرح کا ہی - تو غالباً یہی جواب ہو سکتا ہے - کہ عارضی - اور عارضی قبضہ کوئی قبضہ نہیں ہوتا - اور نہ لفظ ملکیت صادق آسکتا ہی - سماجی صاحبان غور فرمائیں کہ یہہ کیسے پران ہیں اور کیسے مہا شئے پرجاپت سوامی جی کی اُپج اور وید کی تعلیم مزید غور کی محتاج ہی -

لفظ کائنات اور برہما

فقرہ نمبر ۴ - نہ تمام کائنات کا خالق برہما ہو سکتا ہی کیونکہ سب سے پہلے کائنات میں علت مادی ہے اور کائنات کے معنی جہان کے ہیں اور جہان بلا جسمانیت کے نیست ہوتا ہی اور علت مادی (عناصر وغیرہ) جسم رکھتی ہی لہذا علت مادی کائنات میں داخل ہی - اس لحاظ سے برہما علت مادی یعنی عناصر وغیرہ کا بھی (جس کو سوامی جی قدیم مانتے ہیں) خالق ہی اور اگر ایسا نہیں ہی - تو خالق کامل نہیں کہہ سکتے - ہاں مثل ہمارے محتاج ضرور ہو سکتا ہی - سوامی جی کو اختیار ہے - کہ پرمیشور ہی نہیں بلکہ پرمیشور سے بھی بڑا مان لیں -

الکھہ پرکاش مترجمہ الکھہ دھاری صاحب کے دیباچہ صفحہ ۷ سطر ۲۱ میں تحریر ہے کہ برہما جس کو عقل کل اور جبرئیل کہتے ہیں اس کے باک یعنی کلام کا نام وید ہے - یہاں ہمیں صرف لفظ برہما سے بحث ہے - جس کو سوامی جی خالق کل اور الکھہ دھاری صاحب جبرئیل کہتے ہیں اور منوسمرتی میں کچھہ اور ہی تحریر ہے جس کو ہم آگے لکھتے ہیں -

رودری اختیار کی تردید

فقرہ نمبر ۵ ۔ جب بقول سوامی جی رُوح یعنی جیو آتما انادی اور ازلی ہی تو اُس کو لالہ رودر جی سزا کیوں کر دیسکتے ہیں اور وہ قبول ہی کیوں کرے گی ۔ اس لئے کہ نہ وہ اُس کو بنا سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ۔ اور جو شئے حقیقتاً کسی طرح بگڑ ہی نہیں سکتی ۔ اس کو تکلیف کیا معنی کیونکہ جو تکلیف کا احساس ہوتا ہی وہ بقول سوامی جی جیو آتما کو ہوتا ہی ۔ اور تکلیف اُس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ اُس چیز کی اصلیت میں (جس کو تکلیف پہونچانا مقصود ہے) کوئی فرق نہ آئے اور جب اصلیت میں فرق آگیا تو بگڑنا صادق آتا ہی ۔

بموافقت خیال سوامی جی خالق کل نہ رُوح کو بنا سکتا ہی نہ بگاڑ سکتا تو رُودر محض رودر ہی رہے یہ بیچارے کیا تکلیف پہونچا سکتے ہیں ۔ کیونکہ جس شئے کی اصل کو کوئی نہیں بدل سکتا اُس کے افعال کو بھی نہیں بدل سکتا ۔ لہذا جیو آتما کے افعال کو رودر نہیں بدل سکتے ہاں اگر انسان اور خدا میں کسی امتیازی درجہ کا فرق نہیں ہی تو سب کچھ صحیح مگر پھر بھی اس طرح مان لینے سے تمام برائیاں بھلائیاں پرمیشور کے ذمہ ہی عائد ہو جائیں گی ۔ کیونکہ جیو آتما کوئی پرجاپت کا گدھا نہیں جو اُس کے حُکم اور جبر کے اس قدر تابع ہو کہ چاہے وہ گو ۔ گوبر سے لاد دے خواہ زرو جواہر سے اس صورت میں پرجاپت کا قصور ہے ۔ کہ گدھے کا ۔ کیوں نہ ہو آخر یہ وہی رودر ہیں جن کو الکھ دہاری صاحب ایک کہانی کا دیوتا لکھتے ہیں ۔

انادی ہونے کے لحاظ سے جیو آتما حقیقی شئے ہے ۔ اور حقیقت میں عرض کو دخل نہیں ہوتا تکلیف و آرام دونوں عارضی ہیں اس لئے جیو آتما کو ان رودری عوارضات سے آریہ صاحبان کو بری ماننا پڑیگا ۔

پرمیشور اور موت حیات کا سوال

فقرہ نمبر ۶ ۔ سوامی جی کے پرمیشور کو موت اور حیات لازمی ہی ۔ کیونکہ یہ پرمیشور اپنے افعال

خلاقی وغیرہ میں روح اور مادہ کا محتاج ہی تو کہا جائیگا۔ کہ پرمیشور محتاج فی الافعال ہے اور پرمیشور کا ہر فعل اُس کی ایک صفت سے متعلق ہی۔ اس لئے اُس پرمیشور کو (جو محتاج فی الافعال ہو) محتاج فی الصفات ماننا پڑیگا۔ اور جملہ صفات الہیہ (جن کے سوامی جی بھی مقر ہیں) عین ذات ہیں اس لحاظ سے پرمیشور اپنی ذات میں محتاج ثابت ہوتا ہی اور محتاج فی الذات ہونا دلیل نقص ہی۔ اور ہر ناقص کے لئے نقص ضروری ہی۔ اس لئے دیانندی پرمیشور کے واسطے پیدایش اور موت لازم ہوگی۔

اشعار از مصنف

ترے خیال بھی جھوٹے تقین کے خواب غلط ؛ ترا خدا بھی نکما تری کتاب غلط

ترے طریق پہ چلنا ہے عین بگراہی ؛ تری بتائی ہوئی ہے رہِ ثواب غلط

برہماجی کے تفصیلی واقعات

فقرہ نمبر ۷۔ چونکہ اس فقرہ میں مکرر سوامی جی نے برہما کا ذکر فرمایا ہی۔ اس لئے ہم بھی برہماجی کے متعلق کسیقدر تفصیلی واقعات درج کرتے ہیں۔ الکھ دھاری صاحب اپنی کتاب الکھ پرکاش میں بحوالہ رگوید نمبر ۲ کوکتک اپنشد گیان اور اعمال کی تعریف میں چتر من اور بسوپت کنت کی حکایت بیان کرتے ہوئے برہماجی کا دکھڑا عجیب طرح روتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے اعمال والے شخص کو برہما دیوجان کی راہ سے رہبر بن کر پہلے آگ کے دیوتا کے گھر پھر ہوا کے پھر پانی کے دیوتا کے گھر پھر سورج لوک پھر اندر لوک اور پھر پرجاپت کے گھر ہوتے ہوئے ساتویں مرتبہ برہما لوک اپنے گھر میں لے جاتے ہیں اگر وہ صاحب ریاضت ہے تو رودر جو ایک کھائی پر دیوتا ہیں۔ اُس کھائی سے گذ جانے دیتے ہیں ورنہ عبور نہیں ہوتا پھر برجاندی میں نہا کر وہ جوان ہو جاتا ہی۔ پھر ایک درخت پر گذر ہوتا ہے۔ جس میں تمام قسم کے میوے ہیں پھر ایک شہر میں جس کے اندر ایک مندر اپراجیت بنا ہے اندر اور پرجاپت جس کے دربان ہیں اُس مندر میں پہونچ جاتا ہی۔ جس میں پہونچکر وہ شخص خود برہما بن جاتا ہی۔ اُس مندر میں ایک تخت

چبوترہ پر بچھا ہی جس کا نام اننت جوت ہے۔ اُس تخت پر ایک عورت حسین و طرحدار بیٹھی ہی۔ جس میں
نور معرفت ہے۔ وہ شخص وہاں پہونچتا ہی جو پاک دل ہو کر برہم میں مشغول ہے۔ برہما کی شوکت کی یہہ
تعریف ہی۔ کہ اُس کے حکم سے پانچسو حوریں وہاں جانے والے کا استقبال کرتی اور اسباب ضروری
فراہم کرتی ہیں۔ اور دو سو حوریں پھولوں کے ہار اور تین سو حوریں پانی کے برتن اور چار سو حوریں
عطر وغیرہ اور پانچسو حوریں پوشاک اور چھ سو حوریں زیورات لیئے رہتی ہیں۔ جو ان خواہشوں کو
ناچیز سمجھتا ہی۔ وہ دوسرے نمبر کی کھائی کے پار ہو جاتا ہی۔ ورنہ اس کھائی میں گر پڑتا ہی جب یہہ
تمام مراحل و مراتب گیان وغیرہ کے طے کر کے تخت اننت جوت پر بیٹھکر برہما بنتا ہی تب اصلی
برہما اپنی تعریف پوچھتا ہی۔ جس کی حد پران تک ہی۔ اور پران ہوا میں رہتے ہیں اور ہوا سے پیدا
ہوئے ہیں۔ اور آخر کو ہوا میں محو ہو جاتے ہیں الی آخرہ سماجی صاحبان آپکے برہما اور پران کی
یہہ حقیقت ہی۔ جو الکھدھاری صاحب بحوالہ کوکنک اپنشد رگوید نمبر ۲ فخریہ تحریر فرماتے ہیں اس
بیان سے نہ برہما رہتے ہیں نہ پران دونوں کے بہان خارج اور بیچارے اندر۔ پرجاپت اور رودر
تو گویا موکل ہی ہیں اُن کی تو اصل ہی کیا ہی۔

برہما جی کی پیدائش اور انڈا

ایک اور برہما کی حقیقت منوجی اپنی سمرتی میں تحریر فرماتے ہیں۔ جس سمرتی کا حوالہ سوامی جی جا
بجا ستیارتھ پرکاش میں دیتے ہیں۔ منو ادھیائے اول شلوک ۱۱۔ جو پرماتما سب کا باعث
پوشیدہ و ہمیشہ قائم و فاعل مطلق ہی۔ اس نے جس شخص کو دنیا میں پہلے پیدا کیا اسی کو سب
لوگ برہما کہتے ہیں۔ شلوک ۱۲ برہما نے اُس انڈے میں (جس کی صراحت شلوک نمبر ۹ میں کی
گئی ہی) اپنے ایک برس تک رہ کر اور پرماتما کا دھیان کر کے اس انڈے کے دو ٹکڑے کیئے شلوک نمبر ۱۳
ان دو ٹکڑوں سے برہما نے سورگ اور پرتھوی کو بنایا پھر ان دونوں کے بیچ میں آکاش اور آٹھوں
دشا اور اچل سمدر کو بنایا شلوک نمبر ۱۴ پھر برہما نے پرماتما سے سنکلپ بکلپ رُوپ من کو پیدا

کیا اور منو کو پیدا کرنے سے پہلے سمرتھ یعنی طاقت اور ابھمان یعنی غرور کرنے والے اہنکاری (خودی) کو بنایا شلوک نمبر ۱۵۔ اور اہنکار سے پہلے آتما کا اُپکار کرنے والا مہت تتو یعنی عقل کو پیدا کیا اور بشے بھوگ کرنے والی پانچ گیان اندری یعنی حواس خمسہ اور پانچ کرم اندری اور تنماترا کو بھی بنایا شلوک نمبر ۱۶ اور ان بڑے شکت مانوں کے سوکشم ابیوں کو اپنے بکار میں ملاکر تمام مخلوقات کو بنایا شلوک نمبر ۱۷ پرکرت سہت برہم کے شریر چھ سوکشم ابیئے (یعنی تنماترا اور اہنکار) اور اندریوں کے پیدا کرنے والے ہیں یعنی آکاش۔ ہوا۔ آگ۔ پانی۔ پرتھوی۔ من یعنی دل کا پیدا کرنے والا برہم ہے۔ شلوک نمبر ۲۸ برہما جی نے جس جاندار کو ابتدا میں جس عمل و خاصیت میں لگایا وہ جاندار پھر بوقت پیدائش اسی عمل و خاصیت میں آپ سے آپ مصروف ہوا شلوک نمبر ۲۹ قتل و ترحم و نرمی و سختی و عذاب و ثواب و راست و دروغ وغیرہ جو خاصیت ابتدا میں جس کو دی گئی وہی خاصیت اُس کو پھر بوقت پیدائش از خود حاصل ہوئی شلوک نمبر ۳۰ جیسے فصل بسنت وغیرہ اپنے اپنے وقت پر اپنے اپنے خواص کو ظاہر کرتے ہیں اسی طرح سب جاندار قتل و ترحم وغیرہ اعمال میں مصروف ہوتے ہیں شلوک نمبر ۳۱ واسطے ترقی عالم کے مکھہ سے براہمن کو اور باہنہ سے کشتری کو اور جانگھہ سے ویش کو اور پاؤں سے شودر کو پیدا کیا شلوک نمبر ۳۲ پھر برہما جی نے اپنے قالب کے دو حصے کئے نصف سے صورت مرد اور نصف سے صورت عورت پیدا ہوئی ان دونوں کے ملانے سے شخص براٹ کو پیدا کیا۔ شلوک ۳۳ منو جی کہتے ہیں کہ اے رکھیشرو اُس شخص براٹ نے عبادت کر کے جس کو بنایا وہ میں ہی ہوں اور میں سب کا پیدا کرنے والا ہوں یہہ بات آپ لوگ جانئے۔ از منو سمرتی

منو سمرتی میں جس کو سوامی جی بڑی مستند کتاب دیگر سمرتیوں میں جانتے ہیں۔ برہما جی کی پیدائش کو بطریق مذکورہ بالا بیان کیا گیا ہے۔ جو انڈا کنگ کر پر پیدا ہوئے گو سوامی جی کی من گھڑت کچھ اور ہو مگر منو جی سارے حوصلے پست کر گئے۔ اور سماجی پرکرتی کے انادی ہونے کے مسئلے کو تو بالکل ہی خاک میں ملا گئے کیونکہ تنماترا وغیرہ (عناصر) مخلوق شدہ برہما کے بنائے ہوئے

ہیں انادی تو بڑی چیز ہے یہ تو گویا صنعت مخلوق ہے جو خالق کل سے صرف ایک واسطہ بعید رکھتی ہی اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایسی صورت میں مادہ انادی ہو سکتا ہی یا نہیں جس کی یہ شکلیں ہو سکتی ہیں۔

نتیجہ	صغریٰ	کبریٰ
برہما جی حادث ہیں	برہما مخلوق تھے	کل مخلوق حادث ہی

بلحاظ حدوث مخلوق۔ مصنوعات مخلوق حادث۔ پرکرتی (مادہ) مصنوعات برہما ہے۔ پرکرتی یعنی مادہ حادث ہی اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ برہما جی کی پیدائیش سوامی جی کے نیائے شاستر کے مطابق قابل قبول اہل عقول ہو سکتی ہی یا نہیں اور مخلوق شدہ چیز کسی براٹ جیسے شخص کو با ختیار خود بنا سکتی ہے جس سے منوجی کی پیدائیش وقوع میں آئی جو اپنے آپ کو تمام عالم کا خالق بناتے ہیں اس مسئلہ کی از روئے منطق (نیائے شاستر) کوئی چول ٹھیک بیٹھ سکتی ہی۔ جس پر عقل اعتماد کر سکے۔ اور جو منطق ان اصولی تخلیقی مسائل کی تصدیق نہیں کرتا۔ تو یہ جھوٹی کتابیں دریا برد کر دینے کے قابل ہیں یہ امر بھی دریافت طلب ہی۔ کہ برہما جی جن کا ذکر سوامی جی نے کیا ہے آیا جانور تھے یا آدمی ہمیں شک ہے اور رفع شک ضروری ہی اس کی بھی تصدیق کر لینا چاہیے۔

نتیجہ	صغریٰ	کبریٰ
برہما جی حیوان مطلق اور حسب تشریح منوادھیا اول شلوک ۱۳ انڈج تھے	برہما جی انڈے سے پیدا ہوئے	انڈے سے حیوان مطلق پیدا ہوتا ہے

شعر۔ عجب ہے انڈا کے ٹکلتے ہی حضرت برہما پہ حضور بلبل بستان کریں نوا سنجی

حیوان مطلق میں نطق و احساس و ادراک انسانی نہیں ہوتا۔ برہما جی حیوان مطلق (انڈج) تھے برہما جی میں نطق و احساس و ادراک انسانی نہ تھا

اور جب کہ ہر جاندار (ذی روح) اپنے خواص (مقرر کردہ برہما) کے مطابق افعال کرتا ہی۔ تو گویا

کوئی فعل اختیاری رہتا ہی نہیں اور دنیا سے اسوائے قیام مسائل جبر یہ) مسئلہ اختیار نیست ہو جاتا ہی۔

ناقص الافعال پرمیشور کچھ نہیں کر سکتا

فقرہ نمبر ۸۔ سوامی جی نے اس پرمیشور سے جو ناقص الافعال اور محتاج کمال ہی۔ دعائیں طلب کی ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جو ایشور خود صاحب احتیاج ہی وہ دوسروں کی حاجت کیا خاک روا کر سکتا ہی۔ اور پھر حاجت بھی اس قسم کی کہ وہ خود سوامی جی کے ملں میں جلوہ گر ہو جائے۔ یا بخار اور درد وغیرہ میں دوا بن کر حلق سے اتر جائے سانپ کے کاٹنے اور بھیڑیئے کے پھاڑنے کے وقت آڑے آئے۔ سماجی صاحبان کو معلوم ہو کہ نہ ان کا پرمیشور دکھ درد میں کام آنے کے قابل اور نہ حفاظت۔ حفاظت۔ حفاظت (جس کو سوامی جی نے خلاف فصاحت مکرّر بلکہ سہ کرر لکھا ہی) کرنے کے لائق۔ نہ وہ کسی مادی شئے میں داخل ہو سکتا۔ نہ وہ کسیکو راحت یا تکلیف پہونچا سکتا ہے۔

نارائن اور اس کی تشریح

فقرہ نمبر ۹۔ ایسا پرمیشور جو تمام جانداروں میں (بقول سوامی جی) موجود ہو ہرگز ہرگز خدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کی ذات والاصفات ان نازیبا آلائیشات سے بری ہی۔ وہ ایسا نارائن نہیں جو سب میں حلول کر گیا ہو۔

سماجی صاحبان صفات الٰہیہ کی مکرر تحقیق فرمائیں۔ سوامی جی صاحب تو فرماتے ہیں۔ کہ وہ تمام جانداروں میں موجود ہونے سے نارائن ہی۔ اور منو جو بڑے فاضل اور رشی گذرے ہیں جن کا لوہا سوامی جی بھی مان گئے وہ نارائن کی تشریح کچھ اور ہی فرماتے ہیں۔ منوسمرتی ادھیائے اول شلوک ۱۰۔ سنسکرت میں پانی کو نارا کہتے ہیں اور وہ (پانی) پہلے پرماتما کا گھر تھا اس وجہ سے پرماتما کو نارائن کہتے ہیں۔ خیر اس کا فیصلہ تو سماجی صاحبان خود اپنے دل میں کر

ہیں کہ آیا منو جی نے جو معنی نارائن کے بیان کئے ہیں وہ صحیح ہیں۔ یا سوامی جی کی من گھڑت تشریح جو بحوالہ شلوک مذکورہ ستیارتھ پرکاش میں کی گئی ہے۔ اور جب اس طرح بہیروں میں گٹھلیان رلاکر سماجی صاحبان کی آنکھوں پر پردہ ڈالا جائے تو کیا پھر بھی سماجی صاحبان ایسی کتاب کو جس میں جھوٹی شرح ہو ستیارتھ پرکاش کہہ سکتے ہیں۔

منگلا چرن یعنی ابتدائی کتابت میں خدا کی تعریف لکھنا اور سوامی جی کا انکار و اقرار

جواب۔ فقرہ نمبر ۱۰۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں کہ جس میں اپنے خالق کی تعریف کرنا ناجائز ہو اور نہ کوئی ایسا مصنف نظر آتا ہے۔ جس نے معبود حقیقی کا نام آغاز کتاب میں تبرکاً نہ لکھدیا ہو مگر سوامی جی کتاب کے شروع میں پرمیشور کی تعریف بطور شگون لکھنا واجب نہیں جانتے اور یہہ دلیل لاتے ہیں کہ اس طرح شگون منانے سے اور باقی تحریر بے شگون ہی رہ جاتی ہے۔ کیا سوامی جی پرمیشور کو محیط کل نہیں جانتے اور اُس کے نام کی برکت کو صرف اسی صفحہ تک محدود سمجھتے ہیں جس پر شگونی نام تحریر کیا گیا ہے۔ پھر الٹ بھید کر کے فرماتے ہیں۔ کہ چاروں ویدوں کے شروع میں الفاظ (اگنی اٹ اگنی تے تربہنا پرہی نیتی) تحریر ہیں گویا ویدوں میں یہہ منگلا چرن ہے اور دیگر شاستروں میں لفظ اوم یا اتھ منگلا چرن ہے۔ مگر شاستروں کا منگلا چرن وید کے خلاف ہے۔ علاوہ ازین بقول سوامی جی وید ہوں یا شاستر سب کتابوں کا بقیہ مضمون بے شگون ہی رہ گیا۔ اور منگلا چرن خواہ وہ کسی قسم کا ہو سوامی جی کے واجبات کے بالکل خلاف ہے۔

لفظ شری۔ یا سرسوتی۔ یا نارائن وغیرہ کیوں ناروا ہیں جب کہ یہہ سب پرمیشور ہی کے نام ہیں۔ اگر یہہ کہا جائے کہ وید میں ایسا منگلا چرن نہیں لکھا تو ہم کہیں گے۔ کہ وید میں اوم یا اتھ بھی نہیں لکھا۔ پھر رشی صاحبان نے یہہ لفظ جدید کیوں اختراع کیا اور سوامی جی نے خلاف وید کیوں جائز سمجھا۔ اگنی ہی اگنی کا راگ الاپتے تربہنا پرہی نیتی کی دھرپت گاتے۔ خلاف وید

اوم کی تان اُڑاکر اتھ کی سرگم گائی نہ تال کی خبر نہ سم کی بے وقت کی راگنی چھیڑدی۔

معبود کا نام شروع کتاب میں اس لئے لکھا جاتا ہی۔ کہ وہ باعثِ برکت و صداقت ہو تعجب ہے سرسوتی جی دعاؤں میں تو برکت طلب کرتے ہیں۔ مگر کتاب کے آغاز میں اسمائے متبرکہ کا لکھنا جائز نہیں جانتے اور اگر جانتے ہیں تو صرف اوم یا اتھہ۔ جو خلاف وید ہونے سے ناجائز ہے جیسا کہ ہری۔ اوم وغیرہ کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ آریہ صاحبان کو چاہیئے کہ اس مضمون پر غور فرمائیں کیونکہ سوامی جی منگلاچرن کے خود مخالف تھے۔ مگر لفظ اوم بہ تبعیت یوگ درشن وغیرہ آغازِ کتاب ستیارتھ پرکاش میں تحریر کیا ہی۔ الفاظ اگنی اٹ وغیرہ یعنی آتشی گت جو ویدوں میں تحریر ہیں۔ (اگو وہ پرمیشور کی ذات پر دھبہ لگانے والے ہوں مگر منگلاچرن ضرور ہیں) کیوں نہ تحریر کئے۔ چاروں ویدوں کے ہوتے ہوئے دوسری کتابوں کی تقلید کیوں کی گئی جب کہ وہ اپنے آپ کو عاملِ وید قرار دیتے اور مقلدان کو عملِ وید کی ہدایت کرتے ہیں۔

سوامی جی نے بھی عجیب و غریب دماغ پایا تھا۔ واہ رے کاملِ عقل اور اعلیٰ سمجھ۔ کہ صرف اپنی رائے کے مقابلہ میں ساری اگلی پچھلی کتابوں کو کاٹ چھانٹ کر ایک اولٹی پلٹی شاستر بنادی گمر نہیں۔ اس اندھادھند سے مطلب کچھ اور ہی تھا۔ جس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ سماجی گروہ کو اس آواگون کے چکر میں لاکر اس قدر لایعقل بنادیا جائے کہ وہ مضمون اقراری و انکاری میں بھی تمیز نہ کرسکیں اور ہمیشہ بھٹکتے ہی پھرا کریں۔ اب اس بیچاری امت دیانندی کا وہ مضمون ہی ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہی نہ اُدھر کے رہی

چونکہ ذات و صفاتِ الٰہیہ کے متعلق ہم مفصل بحث ساتویں باب میں تحریر کریں گے لہٰذا بیان مذکورہ بالا کو کافی سمجھکر بحث ختم کی جاتی ہی۔

(باب اوّل ختم ہو)

باب دوم تعلیم کے بیان میں

بچہ پیدا ہونے کے وقت ہوم کرنے کی تردید

عبارت متن۔ صفحہ ۲۷ سطر ۲۷ صفحہ ۲۸ سطر ۱ از باب دوم

جب بچہ پیدا ہو تب خوشبودار صاف پانی سے بچہ کو نہلائیں۔ نارٹھی کاٹ کر خوشبودار گھی کا ہوم کریں۔

جواب۔ ہوم کرنا (دھونی دینا) صرف صفائی ہوا کے واسطے ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ہوا خراب ہو اور موسم بھی گرم نہو۔ سوامی جی نے مسئلہ ہوم پیدائش کے وقت لازم سمجھا ہے۔ خواہ ہوا صاف ہی ہو اور موسم بھی گرم ہو اور گرم بھی ایسا کہ دوپہر کا وقت ہو لو چلتی ہو آفتاب کی طپش محفوظ مقاموں میں رہنے والے لوگوں کے کلیجوں کو پھونکے ڈالتی ہو اور اتفاق سے اُس وقت کسی نیک بخت کے بچہ بھی پیدا ہو گیا ہو اور حسب الحکم سوامی جی دھونی بھی دیجائے اور تو ہم کچھ نہیں جانتے البتہ اُس زچہ بچہ کو جہنم کا لطف آجائے۔ سوامی جی یہ نہ سمجھے کہ موسمی تغیر وتبدل بھی کوئی چیز ہے ہوم کا ناطق حکم کیونکر جاری کر دیں۔ جب کہ ہر ملک اور خطہ کی آب و ہوا مختلف ہے۔ کیا یہ اصول عالمگیر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر طبی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو نہایت ہی مضر صحت نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ شیخ الرئیس بو علی سینا کا قول ہے۔ کہ دھواں اور گرد یہہ دو چیزیں انسان کو اُس کی عمر طبیعی تک نہیں پہونچنے دیتیں۔ ہوا صاف کرنے کے اور بھی ذرائع ہو سکتے ہیں۔ جن کو ہم اگنی ہوتر کے بیان میں تحریر کریں گے۔ زچہ بچہ کے متعلق اتنا کہدینا اور ضروری ہے۔ کہ اس کے قواعد ہر موسم اور ہر فصل میں جداگانہ ہوتے ہیں۔ جن کو سماجی صاحبان کتب علم طبابت سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مگر جہان یقین پر سب کاموں کا دار و مدار ہو وہاں طبی فلسفہ کا کیا کام جہاں توہمات کا بھوت سر پر چڑھ گیا ہو وہاں مسائل حکمیہ کے اعجاز کا کیا اثر۔ خواہ زچہ یا بچہ کو نفع

ہویا نقصان بلا سے۔ پنڈت جی کو دھوتی دیکر اپنے گنڈے گنا لینے سے غرض۔

توہمات اور یقین

عبارت متن۔ صفحہ ۲۹ سطر ۹ و ۱۰ از باب دوئم

اور جو خیالات علم اور دھرم کے برعکس توہمات میں گرانے والے ہیں۔ اُن کی بھی ہدایت اولاد کو کردیں تاکہ اُنہیں بھوت پریت وغیرہ جھوٹی باتوں کا یقین نہ ہو۔

جواب۔ معلوم ہوتا ہی کہ مصنف خود توہمات کو بنائے یقین جانتا ہی۔ اور یقین ایک لاعلاج بیماری ہی۔ جس کی پوری تفصیل ہم سابقاً لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا ہم کو مصنف کے یقین کی جس کی بنا وہم پر مبنی تھی پوری پوری تصدیق ہوگئی جو اس کو تعلیم وید سے حاصل ہوگیا تھا

روح کو افعال جسمانی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا

عبارت متن صفحہ ۲۹ سطر ۱۸ لغایت ۲۱ از باب دوم

دیکھئے جب کوئی آدمی مرتا ہی تب اُس کی آتما پاپ پن کے بس ہوکر انتظام کے مطابق رنج و راحت کا ثمرہ بھوگنے کے لئے دوسرا جسم حاصل کرتی ہی۔ کیا اس لازوال پرمیشور کے انتظام کو کوئی بھی منہدم کرسکتا ہی۔

جواب۔ تناسخ کی دھمکی دیکر سوامی جی اپنے مقلدان کو ڈرانا چاہتے ہیں۔ تناسخ کے متعلق تو ہم باب نہم میں لکھیں گے۔ یہاں صرف اُس لازوال پرمیشور کے انتظام کی نسبت اتنا کہنا ہی کہ جو پرمیشور جیوآتما (روح) کو نہیں بناسکتا۔ وہ اس کو پاپ اور پن کی سزا ہی کب دیسکتا ہے ایسے ناقص الافعال پرمیشور کے متعلق یہہ کہنا کہ اُس کا انتظام ٹوٹنے والا نہیں ہرگز ہرگز صادق نہیں آتا۔ اور جیوآتما کو جب کہ وہ اپنی ذات میں حقیقی شے ہے۔ کوئی تکلیف کیونکر ہوسکتی ہی

اور اُس کو پاپ پن سے کیا تعلق کیونکہ سوامی جی کے خیال میں آتما (روح) ازلی ہی اور ہر
ازلی شے کی صفات بھی ازلی ہی ہوتے ہیں. (جس کو سوامی جی صفحہ ۵۵ سطر ۲۴ میں بالذات
ہونا تسلیم کرتے ہیں) پھر ایسی روح جو پاک و پوتر اور انادی وازلی ہو وہ پاپ پن کیوں کرنے
لگی ۔ اگر ایسا کیا تو اُس کے ذاتی وازلی صفات میں فرق واقع ہو۔ جو ناممکنات سے ہے
اگر یہہ کہا جائے کہ افعال جسم سے تعلق رکھتے ہیں تو رُوح کو سزا ملنا کیا معنی رکھتا ہی روح
کو سزا دینے سے سوامی جی کا پرمیشور عادل نہیں رہ سکتا.

اس کا ثبوت کہ روح کو افعال جسمانی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ہم یوگ درشن ساد ہن
پاد سوتر ۱۷ مترجمہ منشی طوطا رام گپت مطبوعہ سنہ ۱۹۰۱ء سے دیتے ہیں۔ جس کو سوامی جی مستند
کتاب مانتے ہیں. (حقیقت یہہ ہے۔ کہ دل کی تلوّن مزاجی سے جو خواہشات نفسانی اُٹھتی
رہتی ہیں۔ جیو یعنی رُوح اُن سے پاک و مبرّا ہی۔ اور دل کی تلوّن مزاجی سے جو یہہ سمجھتا ہی۔ کہ میں
خوش ہوں یا تکلیف میں ہوں اس بات کے کہنے سے جو رُوح کے ساتھ ان خواہشات کا
تعلّق معلوم ہوتا ہی۔ یہہ ایک وہم خود فرضی خیال اور غلطی کی بات ہی۔ فی الحقیقۃ روح ان
جھگڑوں سے پاک ہی) اب سماجی صاحبان کے پاس ایسی کونسی دلیل ہی جس سے وہ روح کو
اعمال کی سزا دلا سکتے ہوں اور لالہ رودر جی کس طرح رُوح کو مجرم قرار دے سکیں گے۔ لازوال
ہونے کی نسبت ہم باب اوّل کے جواب فقرہ نمبر ۶ میں لکھ چکے ہیں۔

سوامی جی اور علم طب

عبارت متن صفحہ ۲۹ سطر ۲۲ و ۲۳ از باب دوم
جاہل لوگ علم طب یا علم طبیعی کے پڑھنے سننے اور بچارنے سے بے بہرہ
رہ کر تپ محرقہ (شنی پات آدی جور) وغیرہ جسمانی اور سودا وغیرہ دماغی
بیماریوں کا نام بھوت پریت وغیرہ رکھ دیتے ہیں۔

جواب۔ سوامی جی کو یہہ بات تسلیم ہے۔ کہ جو شخص علم طب یا علم طبیعے سے ناواقف ہو۔ وہ جاہل ہی۔ حالانکہ خود سوامی جی علم طب اور علم طبیعے سے ناواقف تھے۔ لہذا نتیجہ معلوم جس کو ہم مسائل طبیّہ وغیرہ کی بحث میں آئندہ بیان کرینگے یہاں صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ سودا جو بالذاتہ خلط ہی۔ کسی دماغی بیماری کا نام نہیں ہی۔ جو ناواقفیت مصنّف کا بیّن ثبوت ہے۔

برہمچرج اور سوامی جی کی طبّی واقفیت

عبارت متن۔ صفحہ ۳۲ سطر ۷ لغایتہ ۱۲ از باب دوم

اس کی حفاظت کی یہی ترکیب ہی۔ کہ شہوت انگیز کہانیاں۔ شہوت پرست اشخاص کی صحبت۔ شہوت کی طرف دھیان۔ عورتوں کو دیکھنا۔ اور ان کے ساتھ تنہائی میں رہنا اور بولنا اور چھونا وغیرہ وغیرہ کاموں سے برہمچاری لوگ الگ رہ کر اعلیٰ تعلیم اور پوری وِدّیا حاصل کریں۔ اور جس کو پرمیہ کی مرض ہوتی ہی۔ وہ کمزور۔ بےرعب۔ بےعقل۔ حوصلہ۔ دلیری۔ دھیرج۔ طاقت وغیرہ صفات سے محروم ہو کر برباد ہو جاتا ہی۔

جواب۔ قانون فطرت اور قانون طب کا منشاء غالباً مصنف بالکل نہیں سمجھا اور خلاف عقل سلسلۂ توالد و تناسل کو مٹانے کے واسطے برہمچرج کا طریقہ رائج کرنے میں کمال سعی کی جس میں خود مصنف نے اپنے تمام حصۂ عمر کو خلاف قانون طب اور خلاف قاعدۂ فطرت ضائع و برباد کیا۔ اصول فطرت کے لحاظ سے اس طرح عمر کو ضائع کرنا سخت ترین گناہ ہی جس کا خود مصنف مرتکب ہوا۔ بعد بلوغ انسان کو عالم تجرّد میں رہ کر جو امراض صعب برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں جن کی تشریح حکمایوں کرتے ہیں۔ کہ اگر عالم جوانی میں اخراج منی خواہش صادق کے مطابق نہ ہو تو وہ اوعیۂ منی میں سڑ کر

گردہ۔ جگر۔ معدہ۔ قلب اور دماغ کو اپنے سمی اثر سے بالکل خراب اور روگیلا بنا دیتی ہی اور اکثر صرع
سکتہ۔ مالیخولیا۔ ضعف معدہ۔ جریان منی۔ احتواء الرطوبتہ علی القلب۔ خفقان۔ حار ضعف
جگر۔ یرقان اصفر۔ ضعف گردہ۔ ضعف مثانہ۔ نقرس وغیرہ وغیرہ امراض کا باعث ہو کر فنا
فی العصیان کر دیتی ہی۔ اور اس طرح برہمچرج کی پوری پوری سزا مل جاتی ہی۔ زیادتی جماع
بھی ضرور امراض دماغی وغیرہ کا سبب ہوتی ہی۔ نہ کہ یرقان کا معلوم نہیں مصنف صاحب
نے لفظ یرقان کہاں سے حفظ کیا تھا۔ اگر اسی کا نام طبی واقفیت اور دینی قانون ہی تو یہ
کہدینا کچھ بے جا نہ ہوگا۔ شعر

خوب کی تشخیص تو نے واہ رے ناداں طبیب
عشق کے بیمار کو نسخہ لکھا سوزاک کا

اعتدال پسندی کی ہدایت

سنیئے جناب۔ پوری طاقت۔ کامل حوصلہ۔ صحیح عقل۔ اعلیٰ دلیری۔ کافی رعب و داب تب ہی
حاصل ہو سکتا ہی۔ کہ جب انسان ہر معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرے خواہشات
جائز کو نہ روکے اور ناجائز کے پورا کرنے میں ساعی نہ ہو۔ اغلب خیال ہی کہ ہماری اس تحریر کو منصف
مزاج اور غیر متعصب صاحبان قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

اچارج کی ہدایت کے موافق عمل کرنے کی تردید

عبارت متن صفحہ ۳۳ سطر ۲۴ لغایتہ ۲۸   از باب دوئم

یہہ تیتریہ اپنشد پرپاٹھک ۷ انووک ۱۱ کا قول ہی۔ اس کا مطلب یہہ ہی کہ یہن
ماں باپ اور اچارج اپنی اولاد اور شاگردوں کو ہمیشہ ست اپدیش اتنیک ہدایت کر
اور یہہ بھی کہیں کہ جو ہمارے دھرم شاستر کے مطابق کام ہیں۔ وہی اختیار
کرو اور جو برے کام ہوں ان کو چھوڑ دو۔ اولاد اور شاگرد جو کچھ سچ سمجھین

اُس کا اظہار اور اشاعت کریں کسی مکّار اور بدچلن آدمی پر اعتبار نہ کریں۔ اور
جس عمدہ کام کے لیے ماں باپ اور اچارج حکم دیں اس کو اُن کی حسب
منشا ر بجا لاویں۔

جواب۔ مصنف دہرم شاستری کو ڈا مارتے ہوئے چاہتا ہی کہ اچارج نیک ہدایت کریں
جو ٹھیک ٹھیک وید کے مطابق ہو شاگردوں کو
پہلے حکم دیتا ہی کہ جو کچھ سچ سمجھیں اُس کا اظہار کریں۔ ساتھ ہی ساتھ اس
شرط پر مشروط کرتا ہی۔ کہ جو کچھ اچارج حکم دیں شاگرد اُس کے موافق منشا
کام کریں۔ ہماری رائے میں یہہ تمام مقولہ گندم نما جو فروشی سے زیادہ حقیقت نہیں
رکھتا۔ حالانکہ پابند یقین کر دینے کے بعد (جیسا کہ مصنف دہرم شاستر یعنی وید کی جانب
جس کے احکام ناقص ثابت ہوتے ہیں) رغبت دلانا ہی بھلے اور بُری کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ قوت
واہمہ ہر تکذیب کو صداقت کو جامہ پہنا دیتی ہی۔ اور صداقت کو کذب کی تصویر بنا دیتی ہے
ایسی صورت میں بُرے کاموں کا چھوڑ دینا اور سچ کو اختیار کرنا معلوم۔ کیونکہ جملہ غیر مذاہب کے
لوگوں کو خواہ وہ سچے ہی کیوں نہوں سوامی جی مکّار جانتے تھے۔ جیسا کہ اُن کے اکثر اقوال سے
ثابت ہوتا ہی۔ سماجی صاحبان آپ کے سرستی جی کے پرتکش یعنی یقین۔ علم الیقین۔ عین
الیقین۔ حق الیقین کا انحصار یہاں تک ہے۔ جو صرف لفظ سچ کو بار بار دوہرا کر لوگوں کو
گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ حقیقت پر غور فرمائیں گے۔ تو سوائے جھوٹ کے ایک لفظ بھی
سچ نہ پائیں گے۔ دیکھو اور بغور دیکھو۔ سمجھو صرف الفاظ ہی الفاظ کی آراستگی ہی۔ جس میں صداقت
کی بُو نہیں بقول کہ۔ شعر۔ الفاظ بلند اور معانی میں ہو پستی ؛ ہم تو اسے اردوئے معلّےٰ نہیں کہتے

لہ جھوٹ
لہ سچ

راست بازی کی ہدایت

کیوں جناب سچ بولنے میں اچارج اور ماں باپ کی تقلید کیسی اگر وہ جھوٹے ہوں یا ویدکی

پیروی کیوں ہو جس میں ہزاروں مسئلے رشیوں کی من گھڑت کے جھوٹے بھرے پڑے ہیں
افسوس اگر آج سوامی جی زندہ ہوتے تو ہم اُن کو یہہ اشعار حفظ کرا تے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی
ہدایت کرتے کہ اِن پر سچے طور پر عمل کریں۔ ملولفہ

سچ کہو سچ کہو ہمیشہ سچ : ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ
سچ کہوگے تو تم رہوگے عزیز : سچ تو یہ ہی کہ سچ ہے اچھی چیز
جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خو : جھوٹ ذلت کی بات ہی اخ تھو

حقیقی خدا کی پرستش کرنے کی ہدایت

عبارت متن صفحہ ۴۳ سطر ۲ لغایت ازباب دویم

جس طرح پہلے باب میں پرمیشور کا بیان ہی۔ اُسی طرح یقین کر کے اُس کی پرستش کریں۔

جواب۔ جس طرح پہلے باب کے جواب میں اس پرمیشور کو ناقص الافعال و بے کار محض ثابت کیا گیا ہے۔ سماجی صاحبان اُسی دلیل کو دیکھکر وماغی ریکارڈ سے دیانتدی یقین کی ٹھہری کو محو کر کے محمود حقیقی کی حمد کا راگ الاپیں۔ بلا مدلل دلیل پیش کئے ہوئے پہلے باب کے پرمیشور پر یقین کرنا کرانا یا مصنف صاحب کا کام ہے۔ یا بافہم سماجیوں کا۔ کیونکہ جو پرمیشور صرف بصورت دیوار ہو اور کچھ کر دھر نہ سکتا ہو۔ اپنے کاروبار میں دوسرے کا محتاج ہو اُس کی پرستش کیسی اور وہ لایق پرستش کب ہو سکتا ہی۔ اُس کی پرستش سے سوائے تضیع اوقات کوئی فائدہ ظہور میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ اُسمیں اور ہم میں امتیازی فرق یہہ ہو سکتا ہی۔ کہ وہ برائے نام مفروضہ ہستی ہی۔ جو سماجیوں کے عقائد میں محتاج بالذات ہے۔ اور ہم حقیقتاً جسمانی حیثیت سے ظہور شکل ہستی ہیں۔ اور یہہ ہستی جسمانی بمقابلہ ہستی مفروضہ و محتاج کے درجہ فضیلت رکھتی ہی۔ اور افضل کو ادنی کی پرستش کا باعث عار ہے۔ اِس صورت میں سماجی پرمیشور قابل

پرستش نہیں ہو سکتا۔ باب دویم ختم ہوا

باب سویم پڑھنے پڑھانے کے طریق کے بیان میں

عبارت متن۔ صفحہ ۳۵۔ سطر ۴ لغایت ۷ از باب سویم

مبارک ہیں وہ مرد اور عورت جن کا دل حصولِ علم کا شایق خوش اطواری اور راست گوئی وغیرہ اصولوں پر قایم تکبر اور ناپاکی سے مبرّا اور خباثتوں کے مٹانے ہیتچے اپدیش دینے سے آراستہ لوگوں کی تکالیف دور کرنے کے لئے تعلیم دینے کی فیاضی سے پیراستہ وید کے اصولوں پر چل کر غیروں کی بہتری اور بہبودی کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں کہ بار بار جو وید کے اصولوں پر چلنے کی تاکید مزید کی جاتی ہے یہ کیوں جب کہ وید میں کوئی اصول دینی یا دنیاوی درست نہیں تو یہ مبارکی جو معلمانِ وید کو دیجاتی ہے کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ ہاں اُن معلمان کے لئے ضرور موجب برکت ہے جو علم حقیقی کی تعلیم دیتے ہیں۔

انسانی افعال کے اسباب

انسان جو کچھ دنیا میں کرتا ہے اُس کے دو سبب ہوتے ہیں ایک طمع دوسرا خوف۔ طمع کی دو قسمیں ہیں عارضی اور حقیقی۔

طمعِ عارضی

عارضی طمع وہ طمع ہے۔ جو حصول دنیا کے لئے ہوتی ہے۔

طمعِ حقیقی

حقیقی طمع وہ ہے جو تحصیل دین کے لئے ہو اُس کا حاصل کرنے والا حریص اور لالچی اور

حاصل کرنے والا زاہد۔ عابد۔ پرہیزگار کہلاتا ہی۔ خوف بھی عارضی اور حقیقی دوہی قسموں پر منقسم ہوتا ہی۔

خوف عارضی

عارضی خوف وہ ہی۔ جو ایک زورآور سے کمزور کو زبردست سے زیردست کو "سلطنت سے رعایا کو ہوتا ہی

خوف حقیقی

خوف حقیقی وہ خوف ہے۔ جو منتقم حقیقی ومعبود لم یزلی سے بندوں کو ہوتا ہی۔ یہی حقیقی خوف آدمی کو انسان بناتا۔ اور اُس کو خوش اطواری۔ انکساری۔ صداقت۔ طہارت۔ علم حلم۔ قناعت شرافت۔ صبر وغیرہ وغیرہ بہترین اوصاف اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

خوف الٰہی تمام اوصاف اخلاقی کا سبب ہوتا ہی

جب تک انسان متقی نہ ہو اُس کی ذات سے کوئی اخلاقی صفت ظہور میں نہیں آسکتی

وید میں خوف الٰہی کی تعلیم نہیں ہے

یوں تو سوامی جی نے سماجی صاحبان کے بہکانے کو چکنے چپڑے الفاظ میں دنیا بھر کے گیت گاڈالے۔ مگر جو خاص صفت خوف الٰہی تھی اُس کو ہضم کر گئے۔ اور سچ تو یہ ہی۔ کہ سوامی جی بیچارے کہاں سے لاتے۔ جب کہ وید ہی اس تعلیم سے آراستہ نہ تھی۔

کیا ایسے ناقص قانون پر عمل کرنے والے خوش اطوار ہو سکتے ہیں۔ راست گوئی۔ تکبّر سے بریت۔ خباثتوں کے مٹانے پر آمادگی۔ سچے اوپدیش دینے سے آمادگی تب ہی ہو سکتی ہی۔ جب انسان خدا کو قادر مطلق سمجھکر اُس سے ڈرتا ہو۔ غیروں کی بہتری اور بہبودی کی نسبت جو مبارکباد دیجاتی ہی۔ وہ صرف نمایش ہی نمایش ہی۔ درنہ صفحہ ۴۹ سطر ا

غیر قوموں کو ملک اور قوم سے خارج کر دینے کا حکم اور سوامی جی کا اخلاق

ستیارتھ پرکاش میں غیروں کو ملک اور قوم سے باہر نکال دینے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ پھر غیروں کو بہتری اور بہبودی کی اُمید کیا ہو سکتی ہے۔ اور سماجی صاحبان کس حکم کی تعمیل کریں گے۔ آیا غیروں کی بیخ کنی یا پرورش۔

از حسین صاحب سید میرٹھی

ہے اُسے غیر سے بھی ربط مری یاد بھی ہے ؛ دل میں کچھ رحم بھی ہے مائل بیداد بھی ہے

اولاد ماں باپ کے پاس رہکر ہی تعلیم حاصل کر سکتی ہے

عبارت متن۔ صفحہ ۳۵۔ سطر ۲۳ از باب سویم

(حالت تعلیم میں) ماں باپ اپنی اولاد سے یا اولاد اپنے ماں باپ سے نہ ملیں اور نہ کسی قسم کی خط و کتابت کریں۔

جواب۔ غالباً مصنف کا یہ خیال ہے۔ کہ اولاد اپنے ماں باپ کے پاس رہ کر بوجہ محبت والفت والدین تعلیم حاصل نہیں کر سکتی حالانکہ یہہ خیال غلط ہے۔ بلکہ ازدیاد محبت اُس فعل کی قبولیت کا باعث ہوتی ہے۔ جس کو متقبل اور کسیطرح قبول ہی نہ کر سکتا ہو۔

الفت والدین بچوں کی تعلیم کا سبب ہوتی ہے

عموماً اطفال شروع میں قید تعلیم سے گریز کرتے ہیں پھر وہ کونسی شے ہے جو ان کو بجبر رغبت دلاتی ہے۔ حقیقتاً وہ حکم والدین ہے جس کو اطفال بسبب ازدیاد محبت ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ بچہ کے واسطے والدین کی محبت کا خیال ہی تعلیم کا سبب ہوتا ہے۔ اگر اس محبت کا سلسلہ نہ رہے تو سلسلۂ تعلیم بھی ضرور غائب ہو جائے۔ سماجی صاحبان غور فرمائیں۔ کہ یہ بھی خوف عارضی کی ایک قسم ہے جو بچوں کو تعلیم کی جانب راغب کرتی ہے۔ اور نہ بچہ یہہ سمجھتا

کہ اگر میں تعلیم حاصل نہ کروں گا۔ تو میرے والدین مجھ سے بجائے محبت کرنے کے ناخوش ہو جاینگے

بیٹا باپ کا بھیل ہوتا ہی

علاوہ ازیں اگر بچہ اپنے ماں باپ کے پاس نہ رہے تو وہ کسیوقت بھی خیالات خاندانی اور صفات والدین کا صحیح ترجمان نہیں ہو سکتا۔ اور یہہ کلیہ۔ الولد سر لابیہ۔ بالکل معدوم ہو جائے۔

دو حکموں میں تناقض

عبارت متن صفحہ ۳۶ ۔ سطر ۳ از باب سوئم

ماں باپ یا معلم اپنے لڑکے لڑکیوں کو بامعنی گایتری منتر کا اپدیش دیں۔

جواب۔ جب مصنف صاحب صفحہ ۳۵ کتاب ہذا پر تاکیدی حکم نافذ فرماتے ہیں۔ کہ اولاد ماں باپ سے حالت تعلیم میں کوئی تعلق نہ رکھے تو ماں باپ کا گایتری منتر پڑہانا کیا معنی رکھتا ہی۔ اور گایتری منتر میں بقول مصنف ایسے پرمیشور کی توصیف بیان کی گئی ہی۔ جو محتاج فی الصفات ہونے سے محتاج فی الذات ہی۔ تو ایسا منتر کیا فائدہ پہونچا سکتا ہی۔ اور ایسے ایشور کی تعریف ہی کب نفع بخش ہو سکتی ہی۔ جو سورج کے معنی میں مستعمل ہوتا ہی۔ کیونکہ

لفظ گایتری کی تردید

لفظ گایتری۔ ساوتری سے بنایا گیا ہی۔ جس کے معنی سورج کے ہیں۔ سوامی جی جو صرف معقولات کا دم بھرتے ہیں۔ پنچ مہایجہ ودہی کے صفحہ ۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صبح صبح جپ کرنے سے رات کے اور شام شام جپ کرنے سے دن کے گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا کہ گنگا اشنان سے سال بھر کے گناہ دہل جانے کا قول بھی ضرور کچھ وقعت رکھتا ہی افسوس اس عقل پر۔

سندھیا کے لغوی معنی

نہانا عبادت الٰہی نہیں ہو سکتا

عبارت متن صفحہ ۲۳۔ سطر ۲ و ۳ ازباب سوئم

اس گائیتری منتر کا اپدیش کر کے سندھیا۔ اپاسنا دعبادت کا طریق سکھائیں جیسے نہانا (یہہ واضح رہے۔ کہ کھانے سے پہلے نہانا ضروری ہے) آچمن کرنا۔ پرانایام وغیرہ

جواب۔ حالانکہ سندھیا کے لغوی معنی دونوں وقت یعنی رات اور دن ملنے کے ہیں۔ مگر ہم اس لفظ کو اس مقام پر اُسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے مصنف نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے تحریر کیا ہے۔ جس کے معنی سے عبادت وقت مراد ہے۔ اسی طرح لفظ ساوتری کے بجائے جیسا کہ ہم پہلے لکھہ چکے ہیں لفظ گائیتری تراشا ہے۔ جس کے معنی سورج کے ہوتے ہیں۔ گویا یہہ سورج دیوتا کے منانے کا منتر ہے۔ جس کو گائیتری منتر کہا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عملی ترکیب یہہ ہوتی ہے کہ پانی کے چھینٹوں سے سورج کی گرمی کی روک تھام کی جاتی ہے۔ اور قریب ہر عضو کو علیحدہ علیحدہ دکھا کر اُس کے بچانے دعا کی جاتی ہے۔ اسی کا نام پرمیشور یا ادم۔ بھو وغیرہ رکھا گیا ہے

آمدم برسر مطلب۔ مصنف نے عبادت کو تین طریقوں پر تقسیم کیا ہے۔ اُن میں سے ایک نہانا ہے۔ جس کو مصنف صاحب کھانے سے پہلے ضروری جانتے ہیں۔ نہانا اکثر اوقات بلحاظ تغیرات آب و ہوا ممالک و فصول اربعہ مضر صحت بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور مفید بھی مگر سوامی جی نے لازم جانا ہے۔ منشاء عبادت ثواب اُخروی و نجات عقبیٰ ہوتا ہے۔ نہ صرف کھانا کھانے سے پہلے صرف اس لئے نہانا کہ کھانا خوب سیر ہو کر کھایا جا سکے۔ جس طرح متھرا کے چوبے جمنا جی میں لوٹ پوٹ کر گور گڑھا ہڑ کر لیتے ہیں۔ سچ تو یہہ ہے۔ کہ جو شخص اپنے بازوؤں سے پیدا کی ہوئی روٹیاں کھانے وہ کھانے سے پہلے نہانا بھول جائے اور جو شخص بچپن سے عالم جوانی تک کسی گروکل میں بھیک ٹکڑوں پر اس اشنانی عمل کو جاری رکھے اور بعدہٗ ہادی مذہب بنکر مریدیں کے ٹکڑے مروڑے

اُس کے لئے سب کچھ درست - ہاں ضرورت کے وقت نہانا جیسا کہ شارع اسلام نے جائز رکھا ہے ضرور چاہیئے نہ اُس کو خاص عبادت الٰہی میں داخل کر دیا جاوے اور اگر یہہ کہا جائے کہ نہانا حصولِ تندرستی کا ایک ذریعہ ہی تو ہم کہیں گے کہ اکثر اوقات استحصال امراض کا بھی وسیلہ یہی نہانا ہو سکتا ہی - جو بجائے ثواب کے موجب عذاب ہوگا -

آچمن کرنے کی تردید

دوسری عبادت آچمن کرنا ہے (جس کی شرح مصنف یوں کرتا ہے کہ ہتیلی میں پانی لے کر پیئے جس کی مقدار میں کمی یا بیشی نہ ہو (یہہ واضح ہے کہ ہتیلی میں پانی چند ماشہ آتا ہی) اس سے حلق میں ٹھیری ہوئی بلغم اور کف دور ہو جاتی ہی - اور انگشت وسطی (مارجن) اور بنصر (انامکا) سے آنکھ وغیرہ پر پانی چھڑکے جس سے سستی دور ہو جاتی ہی) ہماری سمجھہ میں نہیں آتا کہ یہہ کون سی طب کا فلسفہ ہے کہ دس قطرہ پانی سے بلغم دور ہو جائے . (معترض) (حضرت اگر ایسا ہی کف کا زور ہے تو ملہٹی چبائیے) اور دو چار بوندیں آنکھوں پر ڈالدینے سے سستی جاتی رہے . گویا سوامی جی کے خیال میں منہ دہل گیا . کھانا کھانے سے پہلے تو نہلانے اور خوب پانی اوندہانے کا حکم دیا جاتا ہے اور منہ دہونے کے وقت چار بوندوں پر اکتفا - یا تو وہ شورا شوری تھی یا یہہ بے نمکی -

اسلامی طریق وضو کی ہدایت

مناسب تھا - کہ مصنف صاحب جو اپنے آپ کو محقق کے لقب سے یاد فرماتے ہیں اسلامی طریق وضو کو اختیار کرتے جس سے فی الحقیقت اُن کا منشا پورا ہو جاتا - صرف دس بوند پانی پینے سے بلغم دور نہیں ہوتا - ہاں غرارہ کرنے سے ضرور اخراج بلغم ہوتا ہی - آنکھوں پر دو چار قطرے پانی ڈالنے سے سستی نہیں جاتی - بلکہ منہ دہونے سے آنکھیں کھلتی ہیں ان دلائل پر نظر

ڈالتے ہوئے۔ طریق آچمن ایک ڈھکوسلا معلوم ہوتا ہی۔ اُس پر مخصوص انگلیوں کا ٹوٹکا اور بھی تعجب خیز بات ہے واہ سوامی جی کیا کہنا۔

پرانایام یعنی حبس دم کرنے سے امراض پیدا ہوتے ہیں

تیسری عبادت پرانایام ہی جس کی نسبت مصنف صاحب صفحہ ۷۳ سطر ۱۰ لغایت ۱۴ و سطر ۱۷ لغایت ۱۹ میں فخریہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب انسان پرانایام کرتا ہی تب جوں جوں وقت گذرتا ہی۔ ناپاکی کا ناش اور گیان کا پرکاش وظہور ہوتا جاتا ہی۔ جب تک مُکتی (نجات) نہو تب تک اُس کی رُوح کا گیان برابر بڑھتا جاتا ہی۔ (یوگ درشن سادھن پاد سوتر ۲۸) جس طرح سونا وغیرہ دھاتیں آگ میں تپانے سے میل کچیل سے پاک اور صاف ہوجاتی ہیں اسی طرح پرانایام سے من وغیرہ اندریاں تمام عیوب سے پاک صاف ہوجاتی ہیں۔ (منوادھیائے ۶ شلوک ۷۱) اگر ہم پرانایام کی حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس عمل کو حبس دم کے ابتدائی قواعد میں سے ایک قاعدہ پاتے ہیں۔ جس میں سوائے سانس کو روک لینے کے خیال کے اور کوئی خیال انسان کو پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہہ طریقہ طبی اصول کے بالکل خلاف ہی۔ کیونکہ مجرائے طبعی کو روکنا باعث نقصان ہی نہیں۔ بلکہ اصول فطرت کے بھی خلاف ہے سانس کو روکنے سے پھیپھڑے میں کثافت اور قصور ہضم واقع ہوتا ہی۔ اور قلب میں جو رُوح بند ہوتی ہی۔ وہ ایک حالت میں بند رہتی ہی۔ جو گرم ہوکر ضعف قلب کا باعث ہوتی ہی۔ دورانِ خون بند ہوجاتا ہی۔ تمام اعضار جذب وہضم غذا سے معطل رہتے ہیں۔ دماغ اور حواس باطنی وظاہری ضعیف ہوکر عقل کو مکدر کردیتے ہیں۔ قلب میں بودا پن اور جسمانی طاقتوں میں کمزوری واقع ہوتی ہی۔ قوتِ متخیلہ صرف اس خیال میں منہمک رہ کر کہ وہ آیندہ حلوے مانڈے کھانے والے جوگیوں کی طرح دنیا کے لوگوں کو دھوکہ اور فریب میں ڈالنے والا ہی سست ہوجاتی ہمارے خیال میں یہہ کمزوری کا سبب ہی۔ جو اس کو مکاری کی جانب راجع

کرتا ہے۔ ورنہ انسان اور یاد الٰہی میں جو واسطہ ہونا چاہیئے۔ وہ صرف خیالات کی یکسوئی ہی یکسوئی تب ہی حاصل ہوتی ہے۔ جب تمام افعال طبعی مجرائے فطرتی پر جاری رہیں۔ نہ کہ سانس روکنے سے جبس میں مضرت ہی مضرت ہے۔

پرانایام کی تردید

جبس کی ایک اور دلیل زمانہ حال کی تحقیقات کے موافق درج کرتے ہیں۔ جب انسان سانس لیتا ہے تو (اوکسیجن) عمدہ اور صاف ہوا کو باہر سے حاصل کرتا ہے۔ جو روح حیوانی میں اعتدال پیدا کرتی ہے۔ اور یہی سبب زندگی ہے۔ اور جب سانس باہر کو نکالتا ہے تو (کاربن) یعنی خراب اور زہریلی ہوا کو خارج کرتا ہے۔ اگر یہ خراب ہوا پھیپھڑے میں رک جائے۔ تو گویا زندگی میں بٹہ لگ جاتا ہے۔ اسی خرابی کی وجہ سے اکثر جبس دم کرنے والے بیوقوف امراض ریہ میں سے کسی نہ کسی مرض مہلک سل وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سانس کی آمد و رفت میں فرق پڑنا تندرستی میں خلل واقع ہونے کی پوری دلیل ہے۔ کیونکہ سانس کی ہی عمدگی پر انسانی زندگی کا مدار ہے۔

ہوم کی تشریح اور معنی

عبارت متن صفحہ ۳۸۔ سطر ۲۴ لغایت ۲۶ از باب سوئم

دیویگیہ۔ دوسرا۔ دیویگیہ یا اگنی ہوتر (ہون) اور عالموں کی صحبت اور خدمت وغیرہ کرنے سے ہوتا ہے۔ سندھیا اور اگنی ہوتر صبح و شام دو ہی وقت کرے کیوں کہ ان دو وقتوں کے سوا رات اور دن کے ملنے کا اور کوئی وقت نہیں کم سے کم گھنٹہ بھر ضرور دھیان کرے۔ جس طرح سمادی (مراقبہ) لگا کر یوگی لوگ پرماتما کا دھیان کرتے ہیں اسی طرح سندھیا اپاسنا بھی کیا کرے۔

جواب ۔ چوتھی عبادت دیویگیہ اگنی ہوتر (ہون یا ہوم) ہی اس میں مراقبہ کی بھی شرط ہی۔ اس کو ہر دو وقت کم از کم ایک ایک گھنٹہ صبح و شام کرنا مصنف فرض مذہبی خیال کرتا ہی جس میں دو وقت کی قید لگائی گئی ہی۔ لطف یہ ہے کہ سوامی جی کے خیال میں وقت بھی قدیم ہی۔ اس صفت قدامت میں وقت و پرمیشور سے کچھ کم درجہ نہیں رکھتا۔ دھوفی ہیں صندل۔ گھی۔ چھالیہ۔ زعفران۔ الائچی۔ بادام ناریل پستہ۔ چھوارے۔ مشک وغیرہ اجزا آگ میں ڈالکر جلائے جاتے ہیں۔ اس کو عموماً ہندی زبان میں دھوپ اور عربی میں بخور کہتے ہیں۔ جس کا منشا صرف صفائی ہوا ہی۔

ہوم کرنا مضر صحت ہے

ہر فصل اور ہر موسم میں ہوا خراب ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض فصول میں ہوا نہایت اچھی اور صحت بخش اور بعض میں خراب اور مخرب تندرستی ہوتی ہی۔ بخورات یعنی دیویگیہ کے علاوہ ہوا کے صاف کرنے کی تدابیر اور ذرایع اور بھی ہو سکتے ہیں مثلاً کافور یا مشک وغیرہ یا اور ایسی ہی چیزوں کو جو خوراک انسانی میں داخل نہ ہوں (بجائے گھی کو جلاکر جڑا ہند پھیلانے کے) کھلی ہوئی جگہ میں رکھ کر ہوا کو صاف کر دینا یا گندگی کے مقاموں پر کول تار کا لگانا فینائل کا چھڑکنا وغیرہ وغیرہ یا مکانوں کا ایسے بلند اور صاف مقاموں پر بنانا جہاں ہمیشہ صاف ہوا میسر آسکے یا آبادی اور مکانات کے ارد گرد سے کوڑے کرکٹ اور نجاستوں کا دور کر دینا۔ اور ایسے ذرایع کو بند کر دینا جن سے ہوا خراب ہو کر قرب آبادی کا پانی سڑ جاتا ہو۔ مثلاً مردوں کا جلانا مخصوص آبادی کے قریب یا ہر دو وقت دھونی دیکر ہوا کو خراب کر دینا یہ سب اسی قبیل سے ہیں۔

دھواں پھیپھڑے کو مضر ہے

طبی فلسفہ کچھ اور ہی روشنی ڈالتا ہی سنئے۔ دھواں (جو اس دیویگیہ کا حاصل ہی) ہوا میں شامل ہو کر سانس کے ساتھ پھیپھڑے میں جاتا ہی۔ چونکہ دھوئیں میں اجزا ارضی کم اور ناری

زیادہ ہوتے ہیں۔ جو پھیپھڑے کے مزاج کے بالکل خلاف ہیں اور روح کو بسبب اپنی ناریت کے بہت زیادہ گرم کر دیتے ہیں۔ اس لئے طبیعت جو مدبر بدن ہے پھیپھڑے کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ ٹھنڈی اور صاف ہوا باہر سے حاصل کر کے روح حیوانی میں (جس کا بحال رکھنا پھیپھڑے کے فرائض میں داخل ہے) تعدیل پیدا کرے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا اور اس کو وہی دہوئیں کی آمیزش والی ہوا ملتی ہے۔ اس لئے جلد جلد سانس لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور اذیت پانے کے سبب سے پھول جاتا ہے سانس کھنچ کھنچ کر آنے لگتا ہے۔ دوسرے معنی ہیں اسی کا نام تنفس ہے سماجی صاحبان سب سے بڑا فائدہ تو دیوگیہ کا یہ ہے۔ جو ہم نے بیان کیا۔ ٹکے خرچ کرو۔ دھونی دو۔ مرض خریدو۔ مبارک ایسی عبادت کو جو مضر صحت ہے تہذیبی عقل بھی قبول نہیں کر سکتی۔ سوامی جی کا یہ دعویٰ (کہ جو باتیں خلاف عقل ہوں ان کو نہ ماننا چاہیئے) صرف برائے گفتن ہے نہ برائے کردن۔

ہوم کے منتر کی تردید

عبارت متن صفحہ ۴۰ سطر ۴ و ۵ از باب سویم

منتروں میں ہوم کرنے کے فوائد کی تشریح ہے۔ اور ان کے بار بار پڑھنے سے یہ فائدہ ہے۔ کہ وہ حفظ رہیں وید کا پڑھنا پڑھانا اور حفاظت بھی ہو۔

جواب۔ مصنف نے ہوم کرتے وقت منتر کا پڑھنا بھی لازم گردانا ہے۔ جس سے سوائے سورج اور آتش پرستی کی یاد کو زندہ کر لینے کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ فائدہ اس کا صرف پڑھنا پڑھانا اور حفظ یعنی یاد کر لینا ہے۔ افسوس ہے ایسے پرمیشور کے کلام پر جس کے پڑھنے کا فائدہ صرف تحفظ ہو۔ نہ ثواب نہ عذاب۔ واہ حضرت گویا پرمیشور کے یہاں تو کوئی جزا۔ سزا مقرر ہی نہیں من گھڑت بکواس ہے کئے جائیں۔ ایسی حفاظت سے کیا نفع جس سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا ہو۔ اگر ایسا ہی حفظ کرنے کا شوق تھا۔ تو سوامی جی خود تمام وید حفظ کرتے یا ان کے متعلدان کوئی ایسا حافظ پیش کریں۔ جس کو وید حفظ ہو اس کے مقابل میں اسلام کی خدائی کتاب کا اعجاز دیکھیں جو لاکھوں

مسلمانوں کے دماغوں میں محفوظ ہو۔ سماجی صاحبان اس کا نام ہی تحفظ۔ صرف بھو۔ بھو کرنے سے حفاظت نہیں ہوتی۔ ہوم کرنے کے فوائد او نقصانات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں منتر کی نسبت اتنا ہی کافی ہو۔ کہ جن اعمال کا نتیجہ مضرت ہو وہ اعمال اور جس منتر میں وہ اعمال درج ہوں وہ منتر دونوں قابل ترک ہیں۔ جس کی اصل خراب ہوتی ہو۔ اس کی فرع بھی خراب۔ نتیجہ۔ ہوم مضر منتر بے سود۔ فیصلہ ہوا۔

عجب

عہ نتیجہ

ہوم کی آہوتیوں کی تعداد و تشریح

ہوم کے مصارف میں سے صرف گھی کا اندازہ

عبارت متن صفحہ ۴۰۔ سطر ۱۵ از باب سویم

ہر ایک شخص کو ۱۶۔ ۱۶ آہوتی (ڈالنی چاہئیں) چھ چھ ماشہ گھی وغیرہ اشیا ایک ایک آہوتی کی کم از کم مقدار ہونی چاہیئے۔ اگر زیادہ ہو تو بہت اچھا ہے۔

جواب۔ حسب الارشاد جناب مصنف صاحب ایک روز کی آہوتیوں کا صرفہ آٹھ تولہ گھی ہوا۔ جو جل بھن کر نیست و نابود ہو جاتا ہی اسیطرح اگر جملہ اہل ہنود بقول مصنف آہوتیاں آگ کے کنڈ میں جھونکیں تو غالباً تیس برس میں ہندستان میں گھی کا نام و نشان باقی نہ رہے اور ہوا بھی دخان آمیز ہو کر اس قدر کثیف ہو جائے کہ شاید پھر سماجی پرمیشور کو بھی پار کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ چونکہ یہہ عمل دلائل عقلی کے خلاف ہی۔ اسی لئے مصنف صاحب کے مقلدان نے سوائے معدودے چند عملی طور پر حصہ نہیں لیا ورنہ آج گھی تو گھی تلچھٹ کے بھی درشن نہ ہوتے۔

چھ لاکھ پچیس ہزار من گھی کا روزانہ خرچ

۶۲۵۰۰۰ من

اگر ہم بحساب مردم شماری صرف طبقہ ہنود پچیس کروڑ کو حسب الارشاد مصنف صاحب احکام وید پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مان لیں تو ایک روز میں چھ لاکھ پچیس ہزار من گھی آہوتیوں کی نذر ہو جانا

چاہیئے جو ۱۹۲۳ء کے نرخ سے قریباً پانچ کروڑ روپیہ کی قیمت پاتا ہی۔ اور یہہ صرف ایک روز کی آہوتیوں کا صرفہ ہی۔ گرم مصالحہ، مشک و زعفران وغیرہ اس کے علاوہ اگر ان کا بھی حساب کیا جاوے تو وہ بھی پانچ کروڑ سے کچھ کم قیمت نہیں پا سکتے۔ چندان کمیاب ہرن عنقا ہو جائیں اس پر طرہ یہ

دنیا سے گھی کو نیست و نابود کرنے والی عبادت

سوامی جی فرماتے ہیں کہ کم از کم گھی کی اتنی مقدار تو ضرور ہو اگر اس سے زیادہ ہو تو بہت اچھا ہی۔ خدا معلوم یہہ زیادتی کیا اور کہاں تک رنگ لائے گی۔ اتنے ہی صرف سے حفظانِ صحت و صفائی آب و ہوا کی اعلیٰ قسم کی تداہیر عمل میں آسکتی ہیں۔

ذبیحہ حیوانات کے متعلق منوسمرتی کا حوالہ

واہ حضرت عموماً سماجی لوگ تو یہہ سمجھے کہ سرسوتی جی نے ہلکی پھلکی عبادت بتلا دی اور مسئلہ انسداد قربانی گاؤ دنا قد فرما کر قوم ہنود کے سر پر بارِ احسان رکھ گئے جو بظاہر دودھ اور گھی سستا ہونے کی تدبیر تھی۔ مگر در پردہ وہ کام کر گئے۔ کہ ازانی توارزانی گرانی کا بھی نام باقی نہ رہے۔ اور آیندہ مجبور ہو کر ہنود کو بھی حسب الحکم منوسمرتی ادھیائے ۵ شلوک ۲۸ و ۳۶ جیوانوں کی چربی پر اکتفا کرنا پڑے۔ اگر سوامی جی یہہ فرماتے کہ ضرورت کے وقت دھونی دیدینی چاہیئے تو ہم بھی تسلیم کر لیتے کیونکہ دوائً اور ضرورتاً جائز ہوتا۔ علاوہ ازیں جب یہہ کہا جاتا ہی۔ کہ ہر بیماری اور دکھ پچھلے جنم کے کرموں کا نتیجہ ہی۔ جو ایشور کی جانب سے ہر انسان کو ملتا ہی۔ تو کیا اس پرمیشری مقرر کردہ سزا کو سماجی صاحبان دھونی دیکر اڑانا چاہتے ہیں۔ یہاں تو آواگون کا قانون ہی ملیا میٹ ہوا جاتا ہی۔ کاش سماجی صاحبان اب بھی بنظر انصاف اس مسئلہ پر غور فرما کر دیانندی تقلید سے باز آئیں اور سمجھیں کہ ہر عبادت کا نتیجہ ثواب آخرت ہوتا ہی۔ اور یہہ عمل علاوہ نقصان صحت عامہ کے بہ سبب صرف بیجا سخت ترین گناہ اور آتش پرستی کی بین دلیل ہی۔

شودر کے متعلق تعلیم کے شرائط اور اُس کی تنقید

عبارت متن صفحہ ۷۴ - سطر ۲۴ لغایتہ ۲۷ از باب سویم

یہہ سشرت کے سوتر ستھان کے دوسرے ادھیائے کا قول ہی - برہمن تینوں ذاتوں - برہمن - چھتری اور ویش - چھتری - چھتری اور ویش کو ویش صرف ویش ذات کو یگیوپویتر کرواکر پڑہا سکتا ہی - اور جو شودر خاندانی صاحب اوصاف حمیدہ ہو اُس کو سوائے منتر سنگھتا کے سب شاستر پڑہاوے - شودر پڑھے لیکن اُس کا اُپ نین (سنسکار) نہ کرے یہہ رائے بہت سے مذہبی ہادیوں کی ہی

جواب - سرسوتی جیسے مدعی معقول اور منصف مزاج شخص پر کس قدر افسوس ہوتا ہے - جب کوئی نامعقول اور غیر منصفانہ بات ظہور میں آتی ہی - اوّل تو تفریق مدارج اور تقسیم اقوام کرنا ہی بڑا ظلم اور اخلاقی گناہ ہی - دوسرے یہہ شرط کہ جو شودر صاحب اوصاف حمیدہ ہو وہ تعلیم حاصل کرے اور صورت یہہ ہی کہ بلا تعلیم اوصاف حمیدہ حاصل نہیں ہو سکتے جس کے یہہ معنی ہوتے ہیں کہ شودر بیچارے نہ اوصاف حمیدہ سے متصف ہو سکیں گے - نہ پنڈت جی شاستر پڑہائیں گے - سوامی جی یہہ نہ سمجھے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا جس میں شاستر برہمنوں کے گھر کی کتاب تھی - اگر صرف صفات حمیدہ کا لحاظ رکھنا تھا تو برہمن چھتری ویش لکھکر تفریق اقوام کرنے کی کیا ضرورت تھی - بہت زیادہ افراد برہمنوں میں شاستر پڑھے پڑہائے صفات ذمیمہ سے متصف نظر آتے ہیں - ان کو منع نہیں کیا جاتا البتہ شودر بیچارے کو صاحب اوصاف حمیدہ ہونے پر بھی منتر سنگھتا اور سنسکار برہمچرج آشرم (اپنین) سے محروم رکہا جاتا ہی - کتنا بڑا غضب ہی - جاہل انسان کو (جو شودر کے درجہ پر تھا) صفات ہی نے برہمن - چھتری اور ویش بنایا تھا - مگر افسوس اُس شخص کے انصاف پر جو باوجود صفات حمیدہ موجود ہونے کے کسی غریب - کمزور - مغلوب شخص کو (اُس کی نوع منسبیہ میں ہوتے ہوئے) شودر کہنا پسند کرتا ہی - اور سب سے زیادہ قابل افسوس وہ شودر اقوام

ہیں جو باوجود ظہور تنفر آریہ بگلا بھگتوں کی زیر سایہ رہ کر زندگی بسر کرتا چاہتے ہیں۔ واہ کیا کہنا ہی ہے۔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔ ہمارے نزدیک تو اگر برہمن سانپ ہیں۔ تو شودر سانپ کی مادہ ہیں۔ کیونکہ دونو برہما جی سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ خواہ منہ سے ہوں یا ...... نہ اُن میں کوئی تفوق نہ اُن میں کوئی تنزل۔ ہم تو سب کو بنی نوع انسان ہونے کے خیال سے یکساں سمجھتے ہیں۔

اگر منتر سنکھتا واقعی کوئی نفع بخش چیز ہے۔ تو اُس سے شودر کو محروم رکھنا کیا معنی رکھتا ہے اور جو خاص گھر کی بات یا لکھیا کا گڑ ہے تو خیر۔ کیوں کہ گولر کا پیٹ پھٹنے سے عیب ہی عیب (کیڑے) برآمد ہوتے ہیں۔ رہا یہ قول کہ بہت سے ہادیان مذہب کی رائے ہے کہ شودر اقوام کو تعلیم دیجائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت سے ہادیان مذہب کی رائے نہیں ہے ورنہ بہت سے کے بجائے تمام کا لفظ ہوتا۔ چنانچہ بڑے زبردست ہادی منو جی ادھیائے ۲ شلوک ۱۱۲ و ۱۱۳ میں شودر اقوام کو شاستر ودیا پڑھانے سے منع کرتے ہیں۔ اور ادھیائے ۱ شلوک ۹۱ میں شودر کی پیدائش صرف برہمن چھتری اور ویش کی خدمت کے واسطے ہوئی ہی اور سوامی جی بھی شودر اقوام سے صرف کار خدمت ہی متعلق جانتے ہیں جو صریحاً ظلم سے پُر اور انصاف سے خالی نظر آتا ہی۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان بغیر تعلیم حقیقی نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ اور شودر کو اُس تعلیم سے جو سبب نجات ہے محروم رکھا جاتا ہی۔ لہٰذا شودر کبھی نجات حاصل نہیں کر سکتا اور وہ ہمیشہ ہر جون میں شودر ہی رہیگا۔ سوامی جی کی یہ چکنی چپڑی باتیں کہ ہم نے شودر اقوام کو بھی حصولِ تعلیم کی اجازت دیدی ہی۔ صرف دکھاوے کی باتیں ہیں۔ وہ شودر بیچارے کی پیدائش کی علت غائی تو خدمتگاری ہی وہ اُس کو خدمتگاری سے نکالکر پرمیشور اور وید کے خلاف حکم مخدوم برہمن کیونکر بنا سکتے ہیں۔ اس پرمیشوری آریہ مذہب کے احکام سے تو ہماری برٹش گورنمنٹ کا ہی طرز سلطنت اچھا ہے جو اپنی تمام رعایا کو یکساں سمجھ کر دولت علم سے مالامال کر رہی ہی۔ تعجب ہی اُس پرمیشور پر جو اپنے بندوں کو یکسان

نہیں سمجھتا اور تفریق مدارج جائز رکھتا ہے۔

اسلامی تقابل

اس کے مقابلہ میں ہم اسلامی خدائی قانون کو پیش کرتے ہیں۔ جس میں نہ کوئی تفوق ہی نہ تفریق داخل اسلام ہوا خواہ شاہ ہو یا گدا دونوں ہم مرتبہ۔ شودر ہو یا راجپوت کلمہ پڑھا اور دونوں ہمپایہ۔ سردار ہو یا خدمتگار اسلام پر ایمان لائے اور دونوں برابر ہوئے۔ جو احکام شرعی آقا کے واسطے ہیں وہی ملازم کے لئے۔ جو عزت دینی اور حقوق اسلامی ایک امیر کبیر کے لئے ہیں وہی ایک غریب مسلمان کے واسطے۔ سماجی صاحبان یہہ ہے حقیقی تعلیم اور سچا مذہب ؛ ببیں تفاوت رہ از کجا است تابکجا۔

برہمچرج کی بحث

عبارت متن صفحہ ۴۱ سطر ۲۲ و صفحہ ۴۲ سطر ۱ و ۹ و ۲۶ الغایتہ ۲۲ از باب سوم

برہمچرج تین قسم کا ہے اوّل قسم ادنیٰ (اس کی میعاد ۲۴ برس تک قائم کیگئی ہی) دویم میانہ درجہ کا (اس کی میعاد ۴۴ سال کی عمر تک ہی) سویم قسم کا اعلیٰ برہمچرج ۴۸ برس تک ہوتا ہے جس طرح ۴۸ حروف کا جگتی چھند ہوتا ہی ویسے ہی جو ۴۸ برس تک ٹھیک برہمچرج کرتا ہی۔ اُسکے بران بس میں ہو کر سب علم حاصل کرتے ہیں اچارج اور ماں باپ اپنی اولاد کو پہلی عمر میں علم اور نیک اوصاف حاصل کرنے کے لئے نفس کش بنا کر ایسی ہی ہدایت کریں۔ اور اولاد خود بخود کامل برہمچرج یعنی تیسرے اعلیٰ برہمچرج کو قائم رکھ کے مکمل یعنی چارسو برس تک عمر کو بڑھاویں ایسا اچارج کہے اے برہمچاریو تم بھی بڑھاؤ۔ کیونکہ جو شخص اس برہمچرج کو اختیار کر کے (اُس کو) نشٹ نہیں کرتے وہ سب قسم کے دکھوں سے آزاد ہو کر دھرم ۔ ارتھ ۔ کام اور موکش کو حاصل کرتے ہیں۔

جواب ۔ مصنفین وید و نیز سوامی جی بسبب ناواقفیت علم الابدان ایسا جاہلانہ حکم لگا کر اُنکو

کی صحت کو خطرہ میں ڈال گئے۔ اصول فطرت کے مطابق زندگی چند زمانوں کا نام ہے جن
کی تفصیل ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ تاکہ آریہ بھائی جو سوامی دیانندجی کے غلط اور خلاف عقل
اقوال کے پابند نظر آتے ہیں۔ اس تحریر سے سبق حاصل کر کے فائدہ اُٹھائیں۔ کیونکہ اس
تحقیق اور تردید سے ہمارا مدعا فائدہ عام ہے۔ کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا کر دکھانا ہمارا کام ہے ذاتیات
پر حملہ کرنا مقصود نہیں اور اسی کا نام تحقیق ہے سنئے۔

انسانی زندگی سترہ (۱۷) زمانوں پر تقسیم ہوتی ہے

انسانی زندگی ستو زمانوں پر منقسم ہوتی ہے۔ ایک عالم صبی ہے جس میں احساس و ادراک کامل
نہیں ہوتا (اس کو بچپن کا زمانہ کہتے ہیں) اس عالم میں طبیعت جو مدبر بدن ہے۔ نشوونما اور تحفظ و
تدبر میں مصروف رہتی ہے۔ قوت حساسہ و ادراکہ کی جانب متوجہ نہیں ہوتی جب تک کوئی خاص صدمہ
کسی عضو کو نہ پہونچے۔ اس کی مدت انتہائی سات سال تک ہے۔ دوسرا عالم جو طفولیت ہی کے نام
سے مشہور ہے اس کی مدت ۱۴ سال کی عمر تک اس زمانہ میں طبیعت قوت حساسہ اور مدرکہ کی
جانب توجہ کرتی ہے۔ اور اس عمر میں انسان محسوسات و ادراکات عالم میں اچھا خاصہ حصہ حاصل
کر لیتا ہے۔ تیسرا عالم سن بلوغ کہلاتا ہے جس میں طبیعت کسیقدر نشوونما سے فارغ البال نظر
آتی ہے۔ اور قوائے نفسانیہ شہوانیہ کی جانب رجوع کرتی ہے۔ یہ زمانہ اکیس سال تک رہتا ہے زمان
بعد عالم شباب ہے جو تین زمانوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ جب طبیعت جسمانی ترقی کو پورے طور
پر حاصل کر چکتی ہے۔ تو وہ پختگی اعضاء کی جانب متوجہ ہوتی ہے۔ اور اکیس سے اٹھائیس سال کی
عمر تک پختگی اعضاء میں مصروف رہتی ہے۔ اس کے بعد قوائے جسمانی کی طرف رغبت کرتی ہے
اور اُن کو پینتیس ۳۵ سال کی عمر تک پختہ بنا دیتی ہے۔ اور یہ کمال جلتنے عرصہ میں حاصل کیا تھا بیالیس
سال کی عمر تک یکساں حالت میں رہتا ہے۔ اس زمانہ میں طبیعت صرف محافظت کرتی ہے
اس کے بعد زمانہ انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا دور اول اونچاس ۴۹ سال کی عمر تک اور دور

ثانی ۷۰ سال کی عمر تک ختم ہو جاتا ہے۔ جس کو زمانہ حال کے محققین ڈاکٹر صاحبان و نیز ہماری گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی یہاں تک تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ۵۵ یا ۵۶ سال کے بعد انسان از کار رفتہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے تمام کام صرف حاصل شدہ تجربات کی بنا پر چلتے ہیں۔ کوئی نیا کام یا نئی بات ایجاد نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد زمانہ شیخوخیت ہے۔ جو چار درجوں پر تقسیم ہو کر چوراسی سال کی عمر تک رہتا ہے زاں بعد زمانہ کہولت پانچ حالتوں پر منقسم ہوتا ہے جس کی مدت حکمائے متاخرین کی تحقیق میں انتہائی ایک سو تیس سال ثابت ہوتی ہے۔

قوائی شہوانیہ کے ہیجان کا زمانہ

۹۷ نتیجہ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ طبیعت خواہشات نفسانیہ شہوانیہ کی جانب کب رجوع کرتی ہے۔ اور مادہ منویہ میں ہیجان کب پیدا ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ چودھویں سال سے اکیسویں سال تک مادہ منویہ پورا ہو جاتا ہے۔ گو اس دوران میں بھی انسان شہوات نفسانیہ کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اکیس سال کے بعد بمقتضائے طبیعت و قانون فطرت جب کہ انسان میں شہوات کے پورا کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے ضرور خواہشات صادقہ پوری ہونی چاہئیں۔ خلاف فطرت عمل کرنے سے عوارضات کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ ضرور اور بالضرور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر طالب علم جو سوامی جی کے مقولات کو قانون فطرت کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں ایسے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں جن سے وہ مرتے دم تک رہائی نہیں پا سکتے۔

بڑھاپے کی شادی شادئ مرگ ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ سوامی جی نے یہ نرالا قانون جو قواعد فطرت (احکام الہیہ) اور قانون طب کے بالکل خلاف ہے۔ کہاں سے گھڑ لیا کہ زمانہ انحطاط میں جب کہ انسان نشینہ ہو کر گور میں پاؤں پھیلانے کو تیار ہو جاتا ہے شادی کرے حالانکہ اس وقت کی اولاد بھی اس قدر کمزور پیدا ہوتی ہے

جو اپنے پانوں نہیں چل سکتی۔ اور خود بھی بجائے اس کے کہ دس سال تک زندہ رہے دو ایک برس ہی میں لد جاتا ہی۔ چونکہ طبیعت اس فعل کی (جو ۴۸ سال کی عمر کے بعد وقوع میں آیا ہے) عادی نہیں ہوتی اس لئے مقہور ہو کر تدبر سے جو اس کا خاص کام ہی معطل ہو جاتی ہی۔ جس کا مآل ضرر جسمانی اور موت کی رونمائی ہوتا ہی۔ اڑتالیس کی پرورش کی ہوئی خواہش پوری ہونے کیوقت بیچارے برہمچاری جی بیساختہ یہہ کہتے ہوئے دنیا سے سدہار جاتے ہیں۔ از غالب

ہیں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہی ؛ جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

اور یہہ شادی شادیِ مرگ کا مزہ چکھا دیتی ہی۔

شاید مقلدانِ سوامی جی فی زمانہ ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے۔ کہ فلاں شخص یا خود سوامی جی جن کی تمام عمر برہمچرج کی نذر ہو گئی چار سو سال تک زندہ رہے ہوں۔ مگر سوامی جی کی ان جاہلانہ ڈینگوں پر ضرور عقیدت کامل رکھتے ہیں خواہ وہ خلاف قانون فطرت ہی کیوں نہ ہوں

سوامی جی کے اصلی واقعات

واقعی بات یہہ ہے کہ سوامی دیانند جی انہیں پرانے خیالات والے جوگیوں کے چیلوں میں سے تھے جو جھوٹے معبودوں اور دیوتاؤں کی خوشی کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے تھے۔ اور اکثر اپنی چیلوں کو ایسے ہی کرتوتوں میں پھنسا کر انہیں معبودوں کی نذر کر دیتے تھے۔ اس ترکیب سے عام لوگوں میں اپنا اثر پیدا کرتے تھے۔

جوگیوں کے پکھنڈ

اب بھی اکثر نادان اور جاہل بھکاری ایسے ہی افعال ناشائستہ کرتے ہیں۔ کوئی اعضائے تناسل کاٹ کر اپنے آپ کو پارسا ثابت کرتا ہی۔ کوئی ہاتھ خشک کر لیتا ہی۔ کوئی ہاتھوں سے مل ملکر رگوں کو خراب کر کے ننگا دھڑنگا پھرتا ہی۔ کوئی خصیے نکالکر بے کار محض (آختہ) ہو جاتا ہی۔ کوئی ہمیشہ کھڑا

ہی رہتا ہی۔ کوئی حبس دم میں مشغول ہو کر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور اس ترکیب سے روشن ضمیر بننا چاہتا ہی۔ کوئی مسمریزم کے قواعد سیکھتا ہی۔ کوئی زبان کاٹ کر دیبی کی نذر چڑھاتا ہی کوئی کان کٹواتا ہی تو کوئی ناک۔ کوئی برہمچرج میں عمر گنواتا ہی۔ کوئی ڈاڑھی مونچھیں منڈا کر لوگوں کو بہکاتا ہی۔ غرض اسی قسم کے پاکھنڈی اور جوگی ہزاروں دیکھے جاتے ہیں۔ جن کی عموماً اہل ہنود بڑی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اُن سے پوچھو کہ جوگی جی یہ بھیس کیوں اختیار کیا تو جواب ملتا ہی۔ کہ خدا کو ڈھونڈتے اور نجات کے جویا ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی جیسے ایک شخص جو راہ سے ناواقف ہے اندھیری رات ہے۔ لق و دق بیابان ہی۔ راستہ کی ٹٹول میں دوڑا دوڑا پھرتا ہی اور آخر کو بوجہ ناواقفیت کسی ایسے غار میں گر پڑتا ہی کہ پھر نکل ہی نہیں سکتا۔ لیجئے صاحب پرمیشور بھی مل گیا اور نجات بھی ہو گئی۔ ضرورت ہی کہ سیدھا اور سچا راستہ بتلانے والا کوئی ہادی ہو اسی لئے رہبر حقیقی شارع اسلام نے قانون فطرت اور وحدانیت کی اشاعت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان جاہلانہ اور وحشیانہ مراسم کو گناہ قرار دیا تاکہ انسان اپنے ہاتھوں آپ کو غارت نہ کرے اور خدا کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلکر اُس سے نجات کا طالب ہو۔

سماجیو! اب بھی اس خواب ضلالت اور کفر کی گہری نیند سے چونکو۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو صراط مستقیم ان ڈھکوسلوں سے نہیں ملسکتی۔ مؤلف

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں :: مانو نہ مانو گے تمہیں اختیار ہے

اگر برہمچرج نہ رکھا جائے تو انسان کتنی اولاد پیدا کر سکتا ہی؟

عبارت متن صفحہ ۴۳ سطرہ لغایت ۱۷   از باب سوئم

سوال کیا یہہ برہمچرج کا قاعدہ عورت اور مرد کے لئے یکساں ہی ہی۔ جواب نہیں اگر پچیسویں سال تک مرد برہمچرج کرے تو سولہ برس تک عورت اور اگر مرد تیس برس تک برہمچاری رہے۔ تو عورت سترہ برس تک اگر مرد ۳۶ برس تک ہی

تو عورت ۱۸ برس تک اگر مرد چالیس برس تک برہمچرج کرے تو عورت بیس برس تک اگر مرد ۴۴ برس تک برہمچرج کرے تو عورت ۲۲ برس تک اگر مرد ۴۸ برس تک برہمچرج کرے تو عورت ۲۴ برس تک برہمچرج قایم رکھے۔ یعنی ۴۸ برس کے بعد مرد اور ۲۴ برس کے بعد عورت کو برہمچرج نہ رکھنا چاہیئے۔ لیکن یہ قاعدہ شادی کرنے والے مرد اور عورتوں کے لئے ہے۔ اور جو شادی کرنا ہی نہ چاہیں وہ مرنے تک برہمچاری رہیں تو اچھی بات ہے۔ رہیں مگر یہہ کام فاضل جتیندری (نفس پر قابض) اور بے عیب یوگی عورت اور مرد کا ہے۔ کیونکہ شہوت کے زور کو تھامنا اور اندریوں کو اپنے قابو میں رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔

جواب۔ چونکہ قاعدہ برہمچرج کے متعلق ہم بیان ماقبل میں خلاف اصولِ فطرت ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ آیا ۱۶ برس تک اور ۱۶ سے ۲۴ برس تک عورت کتنی اولاد پیدا کر سکتی ہے۔ اور وہ موافق منشائے فطرت ہے یا نہیں کیونکہ انسان کی پیدایش کا جو فطرتاً منشا ہے۔ وہ اُس کو بجا لانا چاہیئے۔ جہاں تک دیکھا گیا ہے۔ جملہ تجربات و مشاہدات گواہ ہیں۔ کہ لڑکی بارہ سال کے بعد بچہ جننے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور فطرت اُس کو بارہ تیرہ سال تک پورے جسم والی عورت بنا دیتی ہے۔ اکثر عورتیں ہر ڈیڑھ یا پونے دو سال کے بعد اور اکثر ڈہائی سال کے بعد اور اکثر تین سال کے بعد بچہ جنتی ہیں۔ پہلی صورت میں اگر عورت کو برہمچاری نہ رکھا جائے۔ تو سولہ سال تک دو اور ۲۴ سال تک کم از کم سات بچے جن سکتی ہے۔ اور دوسری صورت میں چار یا پانچ۔ تیسری صورت میں کم از کم تین یا چار بچے ضرور جن سکتی ہے۔ اسیطرح مرد کی عمر کا وہ حصہ جسمیں وہ اولاد پیدا کر سکتا تھا بقول مصنف برہمچرج کی نذر ہو کر ضایع ہو جاتا ہے۔

برہمچرج قاطع النسل ہے

حسب منشاء اصول فطرت و نیز قانون طب سخت ترین گناہ ہی نہیں بلکہ سلسلہ توالد و تناسل

کو بھی ہمیشہ کے لئے قطع کر دینے والا ہے۔ اگر ایسا ہی برہمچرج کا طریقہ جاری رہے تو غالباً آریہ بھائیوں کو سوامی جی صاحب کی طرح اولاد کی صورت بھی دیکھنا نصیب نہ ہو اور خواہش بقا جو انسان میں فطرتاً پائی جاتی ہے۔ (اُسی کی شاخ اولاد کا پیدا کرنا بھی ہے) بالکل ہی دنیا سے معدوم ہو جائے طرّہ یہہ ہے کہ سوامی جی و نیز ان کے مقلدان قانون فطرت و اصول طبّی کو معقول سمجھ کر سب کے لئے قابل تسلیم بیان کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں نظام عالم اور اصول مسلّمہ عامۃ الناس کا مٹانے والا شخص سخت ترین گناہگار اور بدترین خلایق ہے۔ افسوس کہ سرسوتی جیسے شخص جو خود اپنے کو حامی اصول فطرت و معقول پسند جانتے تھے۔ وہ ہمیشہ کے لئے برہمچاری رہنا خود بھی پسند کرتے ہیں۔ اور اپنی اُمّت کو بھی ترغیب دلاتے ہیں۔ کہ وہ بھی جہاں تک ہو سکے آخر عمر تک برہمچاری رہیں۔ اور غضب یہہ ہے۔ کہ فاضل اور جتیندری و بے عیب اُس شخص کو جانتے ہیں۔ کہ جو اس گناہ عظیم کا مرتکب ہو چکا ہو ہم نے اکثر متھرا وغیرہ مقامات یاترہی پر برہمچاری عورتوں اور مردوں کو ایسے افعال قبیحہ میں گرفتار ہوتے سُنا ہے۔ جو ناگفتہ بہ ہیں۔ جن کے ذکر کو ہم ان چند اوراق میں جگہہ دینا خلاف اخلاق سمجھتے ہیں۔

خواہش صادق کا روکنا بیماری ہے

ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہوت صادق کو روکنا اپنے آپ کو جان بوجھ کر خطرہ میں ڈالدینا ہے۔ جو ایک مرض کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ بھوک کے وقت کھانا نہ کھانا اور پیاس کے وقت پانی نہ پینا یا پیشاب کے وقت پیشاب اور پاخانہ کے وقت پاخانہ نہ جانے سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہر خواہش صادق کے روکنے سے آدمی بیماریوں کا شکار بن جاتا ہے۔ اور جب بیمار ہو گیا تو اندریوں (حواس) کو اپنے قابو میں کیونکر رکھ سکتا ہے۔ ہمارا قیاس یہہ بتلاتا ہے۔ کہ سوامی جی خود برہمچاری تھے۔ اور ان میں اس کم بخت برہمچرج نے مادہ رجولیت کو اور انسانی

صحت کی دلیل ہی) باقی ہی نچھوڑا تھا۔ بلکہ اس برہمچریہ روک تھام نے اپنا سمّی اثر دماغ تک پہونچا کر اتنا بیکار کر دیا تھا۔ کہ وہ کھوٹی اور کھری بات میں تمیز نہ کر سکے۔ جس کا ثبوت ہماری یہہ کتاب یا انصاف پسند صاحبان کے واسطے ستیارتھ پرکاش کا ایک ایک لفظ ہی۔

سوامی جی کے دو حکمون مین تناقض

عبارت متن صفحہ ۴۴ سطر الغایت ۳ از باب سویم

(یہہ تیتریہ اپنشد پرپاٹھک ۷، انواک ۹ قول ہی) اس میں پڑہنے پڑہانے والو کے قواعد لکھے ہیں (یعنی) نیک چلنی سے پڑہیں اور پڑہائیں راستبازی سے سچے علوم کو پڑہیں۔ اور پڑہائیں۔ نفس کش ہو کر یعنی دھرم پر چلتے ہوئے وید وغیرہ شاستروں کو پڑہیں اور پڑہائیں۔ بیرونی خواہش کو برے کامون سے روک کر پڑہیں۔ اور پڑہاتے جائیں۔ دل کے میلان کو سب قسم کے عیبوں سے ہٹا کر پڑہتے پڑہاتے جائیں۔ ہون کے لایق آگ اور بجلی وغیرہ کے خواص) کو جانکر پڑہتے پڑھاتے جائیں۔ اور اگنی ہوتر کرتے ہوئے پڑہنا اور پڑھانا جاری رکھیں۔ اتھیون (مہمانون) کی خدمت کرتے ہوئے پڑھیں اور پڑہائیں۔ دنیاوی کاروبار کو مناسب طور پر کرتے ہوئے پڑہتے پڑہاتے رہیں۔ اولاد اور رعایا کی پرورش کرتے ہوئے پڑہتے پڑہاتے جائیں۔ منی کی حفاظت اور زیادتی کرتے ہوئے پڑہتے پڑہاتے جائیں۔ اپنی اولاد اور شاگرد کی پرورش کرتے ہوئے پڑہتے پڑہاتے جائیں۔

جواب۔ سمجھہ میں نہیں آتا کہ یہہ ہدایتیں اچارج کے واسطے ہیں یا والدین کے لئے ہیں اگر والدین کے لئے ہیں تو انکو قبل ازین یہ حکم دیا جا چکا ہی کہ وہ پانچ برس کے بچے کو (خواہ وہ لڑکی ہو یا لڑکا) گورو کل میں داخل کر کے اُس سے اس قدر روگردانی کریں۔ کہ خط و کتابت بھی یک قلم موقوف کر دین

پھر بیچارے والدین کس حکم کی تعمیل کریں ماقبل یا مابعد کی اور اگر یہہ حکم صرف اچارجوں کے واسطے ہے تو اچارجوں کو اولاد رعایا اور شاگردوں کی پرورش سے کیا تعلق اور اچارج کے لئے پڑھنا کیا معنی رکھتا ہے ۔ بار بار پڑھنے پڑھانے ۔ پڑھیں پڑھائیں ۔ پڑھتے پڑھاتے جائیں سے (علاوہ فصاحت کلام کے) وہ مطلب بھی اخذ ہو سکتا ہے ۔ کہ ایک لفظ کو اس کے مہمل توابعات کے ساتھ بیان کر دینے سے نکلتا ہی ۔ تاکہ سمجھنے والے کو مہمل جملوں کے پڑھنے سے اتنی فرصت ہی نہ ملے ۔ کہ وہ اصل معنی اور مطالب کی جانب رجوع کر سکے ۔

اعتقاداتِ آتش پرستی کی دوبارہ زندگی

آگ اور بجلی وغیرہ کے خواص کو جاننا اور اگنی ہوتر کا کرنا اعمال روشنیہ میں سے ایک عمل پر معصیت ہے جو سوامی جی کی ایرین آتش پرستی کے اعتقادات کی یاد کو زندہ کرتا ہے اور یہہ خیال اُن کو اُن کی اصل کی طرف کھینچے لئے جا رہا ہی ۔ جو کسی طرح جدا نہیں ہونے دیتا ایسے ہی لوگوں نے جوالا مکھی جیسے کوہ آتش فشان پہاڑوں کی پرستش جاہل اور لاعقل قوم ہنود سے کرائی جنہوں نے مادہ اور خدا میں عقل اور تمیز سے کام ہی نہیں لیا ۔ رہا یہہ امر کہ صرف آگ اور بجلی کے خواص کو جان لینا کسی امر دینی یا دنیاوی میں وجہ کمال ہو سکتا ہی ہماری رائے میں سوائے اس کے کہ موجودات عالم میں سے کسی ایک شے کے افعال و خواص (وہ بھی کما حقہ نہیں) معلوم کرنے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جو نہایت معمولی بات ہی ۔ اگر مصنف صاحب علم طبیعات سے واقف ہوتے تو غالباً ایسا حکم دیکر اس لاعقل فرقے کو اور زیادہ گمراہی میں نہ ڈالتے ۔ شعر از مصنف

جو مرمٹا ہو برق و ہون کے خیال میں ❊ لگ جائے آگ ایسے رشی کے کمال میں

جوہر ہضم چہارم کی مختصر تشریح

ہر جگہ اور ہر موقع پر مصنف صاحب منی کی حفاظت اور زیادتی کرنے اور برہمچرج کی تقلید

کرانے پر زور دیتے ہیں۔ معلوم نہیں مصنف صاحب نے منی کو کیا سمجھا۔ کیا منی اسباب زندگی میں داخل ہی اگر کوئی شخص یہہ کہے کہ زیادتی منی پر قیام تندرستی ہی تو ہم کہیں گے۔ بالکل غلط کیونکہ ہر شے خواہ وہ خون ہو یا بلغم۔ سودا ہو یا صفرا جو حد اعتدال سے گھٹ بڑھ جائے باعث مرض ہوتا ہی منی بقول بعض اطبا فضلہ ہضم چہارم ہی اور بقول بعض جوہر ہضم چہارم ان دونو قول قرین ثواب ہیں چنانچہ فضلے کے خارج ہونے سے انسان کو فرحت۔ راحت۔ تندرستی۔ نصیب ہوتی ہی۔ جب خواہش صادق کے مطابق (جیسا کہ اور فضولات خارج ہوتے ہیں) اخراج منی ہوتا ہی۔ تو خوشی آرام صحت۔ اعتدال۔ سرور حاصل ہوتے ہیں۔ اور کسی قسم کی کمزوری محسوس نہیں ہوتی اس لحاظ سے فضلہ ہضم چہارم کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا۔ اور اگر خلاف خواہشات صادقہ اخراج منی ہو تو اکثر امراض کمزوری۔ نامردی۔ بودا پن وغیرہم کا سبب ہوتی ہی۔ اس لحاظ سے جوہر ہضم چہارم کہہ سکتے ہیں۔ اگر ہم اس کے متعلق پوری تشریح کریں تو یہہ شرح بالذاتہ ایک ضخیم کتاب کی محتاج ہی۔ لہذا بلحاظ طوالت اِن ہی چند جملوں پر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ اس تمام تحریر سے یہی نتیجہ نکلتا ہی۔ کہ خواہشات صادقہ کے پورا ہونے کو صحت جسمانی کے قایم رکھنے میں بڑا دخل ہی جو مسئلہ برہمچرج کی بیخکنی اور سوامی جی کے عقائد کے قلع و قمع کرنے کی اعلیٰ دلیل ہے۔ یہہ بھی خیال رہے کہ ہم منی کو جوہر ہضم چہارم تسلیم کرتے ہیں۔

نیم یعنی اصول اور یم کے متعلق بحث

عبارت متن صفحہ ۴۴ سطر ۴ و ۶ و ۸ لغایت ۱۱ و ۲۳ لغایت ۱۸ از باب سویم

یم اور نیم۔ یم پانچ قسم کے ہوتے ہیں (۱) اہنسا (ایذا نہ پہونچانا) (۲) ستیہ (سچ ماننا سچ بولنا اور سچ ہی کرنا) (۳) استیہ (دل اور زبان اور فعل سے چوری کا چھوڑنا (۴) برہمچرج (عضو تناسل کو قابو میں رکھنا) (۵) اپرگرہ (نہایت تلون مزاجی کو چھوڑ کر خودی سے بری ہونا) (یوگ درشن سادہن پاد سوتر ۳۰)

ان پانچوں یموں پر ہمیشہ عمل کرے۔ پانچ نیم یہ ہیں (۱) شوچ (غسل وغیرہ سے صفائی) (۲) سنتوش (ہمیشہ فارغ ہو کر سست رہنا سنتوش نہیں بلکہ جس قدر ہو سکے محنت کرنی نفع و نقصان سے شادی و غمی کو محسوس نہ کرنا) (۳) تپ (تکلیف اٹھا کر بھی نیک کاموں کا کرنا) (۴) سوادھیائے (سلف سٹڈی پڑھنا پڑھانا) (۵) ایشور پرنیدھان (ایشور کی خاص بھگتی سے آتما اس کے ارپن کرنا۔ سونپ دینا) (یوگ درشن سادھن پاد سوتر ۳۲) یموں کے بغیر صرف نیموں پر عمل نہ کرے بلکہ ان دونوں پر عمل کیا کرے جو یموں کو ترک کرکے صرف نیموں پر عمل کرتا ہے۔ وہ ترقی نہیں کرتا۔ بلکہ تنزل یعنی دنیا میں گرا رہتا ہے۔

جواب۔ نیم کے معنی اصول کے ہیں۔ جن پر انسان کو پابند ہو کر عمل کرنا چاہیئے۔ از روئے تحریر مصنف اور بمطابقت قول یوگ درشن پانچ نیم (یعنی اصول) اور پانچ یم (فروعات) بیان کئے گئے ہیں۔ اصول سے پہلے فروعات کا بیان کرنا سوامی جی کا کام ہے۔ یا ان کی مقدس کتاب کا جس کی کہیں تک سے تک ہی نہیں ملتی۔ اصول میں سب سے پہلے صفائی جسم اور قناعت و صبر تعلیم و تعلم کا بیان کیا جاتا ہے۔ بعدہ ایشور کی بھگتی کی متعلق تحریر ہے جو شخص ذات الٰہی سے آشنا ہو وہ صفات متذکرہ بالا سے کب بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ تمام نیک صفات خواہ وہ اخلاقی ہوں یا تمدنی بلا حصول علم ذات نہیں ہو سکتے۔ اور اسی علم ذات الٰہی کا درجہ سوامی جی آخری درجہ سمجھتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ بجائے یوگ درشن ٹائیٹل پیپر کے دوسرے صفحہ پر جو اصول لکھے ہیں ان میں سب سے پہلے علم پرمیشور کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ مقلدان کی جان مصیبت میں ہے۔ خدا کا ڈر ہے بتوں کا کھٹکا سماجی کیسے عذاب میں ہیں یہ بیچارے یوگ درشن کے موافق فروع کو پہلے اور اصول کو بعد میں مانیں۔ یا حسب الحکم سوامی جی ان اصولوں کو اختیار کریں۔ جو انہوں نے دیگر مذاہب اور علم اخلاق

سے چن چنا کر خلاف لوگ درشن شایع کئے ہیں۔ سماجی صاحبان کو یہ واضح رہے کہ اُصول مذہب کا بنانا آدمی کا کام نہیں مذہب الہیہ میں اُصول مذہب بھی خدائی ہی ہوتے ہیں۔ سوامی جی نے اپنے من گھڑت اُصول میں ایشور کی تعریفیں تو بہت کچھ کی ہیں۔ مگر حقیقتاً غور کیا جائے تو کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ جو پرمیشور مثل ایک کمہار کے (نقل کفر کفر نباشد) مٹی وغیرہ علتِ مادی وقت اور جیو وغیرہ کا محتاج ہو۔ اُس کو خالقِ کل یا قادرِ مطلق ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ اُس کی طاقت غیر محدود ہو سکتی ہے۔ راستی۔ بھلائی۔ محبت۔ علم الحق تب ہی میسر ہو سکتا ہے کہ جب آدمی نے ذاتِ الٰہی کو حقیقی طور پر سمجھ بوجھ لیا ہو ورنہ جہالت ہی جہالت ہے۔ اصول پر بحث کرتے ہوئے سوامی جی کی حقیقت منکشف ہو گئی۔ معلوم شد فاتِ شما۔

اصول آریہ کی قدامت کی تردید

یہ دعویٰ کہ آریہ سماج کے نیم قدیم ہیں۔ بالکل غلط ہو گیا۔ کیوں کہ اُن کی کتاب مقدس کچھ اور کہتی ہے اور سماجی کچھ اور۔ البتہ سوامی جی نے جو اُصول گھڑے ہیں۔ وہ فرضی اور دیگر مذاہب سے انتخاب شدہ تازہ ہیں۔ جو عموماً سماجیوں کو ابتداً سکھا کر دھوکے میں ڈالا جاتا ہے اگر سماجی صاحبان ایسے ہی نئے اُصولوں کے شائق ہیں تو ایسے غلط سلط اُصول گھڑ گھڑا کر دس کیا سینکڑوں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ یہ دس اُصول اُن خدائی تین اصولوں کا مقابلہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ جن کو پیغمبرِ اسلام صلواۃ اللہ علیہ السلام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے بحکم خداوندی رائج و شایع کیا۔

سماجی اُصولوں کی تردید

اُصول مذہب وہ ہوتے ہیں۔ کہ جن پر عمل نہ کرنے سے انسان خارج المذہب ہو جاتا ہے اگر کسی آدمی۔ نے اصولاً ایک مرتبہ بھی غلطی کی۔ تو وہ ضرور مذہب سے خارج ہو گیا۔ اور انسان

سہو ونسیان کا پتلا صبح سے شام تک ہزاروں جھوٹ۔ سینکڑوں برائیاں اور جہالت کی باتیں کرتا ہے۔ تو گویا سوامی جی کے خیال کے موافق ایسا آدمی جس کے اصولِ مذہب میں راستی، ترقیٔ مذہب، وید کا پڑھنا پڑھانا۔ قناعت، صبر، جھوٹ نہ بولنا وغیرہ (جو اخلاقی مسائل ہیں اور جن صفات کو طرزِ معاشرت خود سکھا دیتی ہے۔) داخل ہوں وہ ایک دن میں جھوٹ وغیرہ بول کر کتنی مرتبہ مذہب سے خارج ہوتا ہے۔ اور پھر داخلہ کی صورت کیا ہوتی ہے رہا وید کا پڑھنا پڑھانا شاید فی صدی پانچ آریہ سماج بھی وید کو نہ جانتے ہوں گے۔ کہ کس چڑیا کا نام ہے۔ لہٰذا فی صدی ۹۵ خارج المذہب شمار ہونے چاہئیں۔ سماجی صاحبان اصولِ مذہب اس من گھڑت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے سوچو اور سمجھو۔

اُصولِ مذہب کیسے ہونے چاہئیں

اُصولِ مذہب وہ ہوتے ہیں جن کی بنا صرف یقین بالاجتہاد پر مبنی ہو عمل سے اُن کو کوئی تعلق نہ ہو البتہ فروعات میں اعمال حسنہ کو دخل ہونا چاہیئے۔ نہ کہ آپ کی طرح اصول میں واہ حضرت اُصول سے اور اعمال سے کیا واسطہ۔ اصول مذہب وہی اُصول ہو سکتے ہیں۔ جو کسی عمل سے نہیں۔ بلکہ جب تک حق الیقین میں کوئی فرق نہ آئے مذہبی عقیدہ میں کوئی فرق نہ آنے دیں۔ ہاں اگر حق الیقین میں فرق آجائے تو وہ انسان مذہب سے خارج ہو جاتا ہے اور جب تک کہ تجدید نہ ہو داخل مذہب نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم اُن صاحبان کو جن کی طبیعتیں انصاف پسند اور حقیقت کے متلاشی ہیں۔ اُصول مذہب اسلام کی جانب توجہ دلاتے ہیں تاکہ وہ بنظرِ غور ملاحظہ فرما کر مذہب حق قبول کریں۔ اور جھوٹے پاکھنڈیوں کے فریب سے بچیں۔ جو صرف جس دم اور ہر ہیچ ج کے دام بلا میں مبتلا ہو کر راہِ حقیقت کو ڈھونڈنا اور خلقِ خدا کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

آخر میں سوامی جی لکھتے ہیں کہ جو یموں کو چھوڑ کر صرف نیموں پر عمل کرتا ہے۔ وہ دنیا میں

گرار ہتا ہی ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا دین میں نہیں گرا رہتا۔ ضرور گرا رہتا ہی۔ صرف نیموں پر عمل کرنے سے تو دنیا میں گرا رہتا ہی۔ اگر یموں پر بھی عمل کرے تو دین و دنیا دونوں میں گر جائے۔ کیونکہ دونوں ناقص۔ نتیجہ معلوم۔ یہہ عجیب تماشا ہی۔ کہ اصولوں پر عمل کرنے والا دنیاوی بے عزتی اور تنزل کا سزاوار ہے۔ یہہ واضح رہے کہ دیگر مناظرین کی طرح ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ تحقیقی طور پر جانچتے ہوئے یہہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ سوامی جی نے جو اخلاقی صفات بیان فرمائے۔ وہ ناقص نہیں۔ البتہ یہہ باتیں اصولِ مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اُن کو خدائی قانون اصولی سے کوئی واسطہ نہیں۔ اِس لئے بے موقع اور بے تالا راگ الاپنے کو ناقص سمجھنا چاہیئے۔ گفتگو بے محل اور پھر دین الٰہی سے متعلق ہاں پرمیشوری دنیا کے واسطے جو کچھ بھی کہتے اور کہا ہی۔ وہ سب کچھ درست

برہمچاریوں کے متعلق اعتدال پسندی کا حکم بحوالہ منوسمرتی

عبارت متن صفحہ ۴۴ سطر ۲۰ لغایت ۲۲

از باب سویم

برہمچاریوں کے متعلق شاستر کا اُپدیش منوسمرتی میں لکھا ہی۔ کہ زوردار خواہشیں اور بے غرضی کسی کے لئے بھی اچھی نہیں۔ کیونکہ جو خواہش نہ کرے تو دید وں کا علم اور ویدوں میں فرمائے ہوئے اعلیٰ کام وغیرہ کسی سے نہ ہو سکیں

ادھیائے ۲ شلوک ۲)

جواب۔ سماجی صاحبان کو انصاف کی نظروں سے دیکھنا چاہیئے۔ کہ منو جیسا رشی جس کو سوامی جی مانتے ہیں۔ برہمچرج کے متعلق اعتدال کو پسند کرتا ہی۔ اور یہہ بتاتا ہی۔ کہ اگر انسان خواہشات سے بالکل بے غرضی رکھے۔ یا اُن کو انتہا سے زیادہ بڑہاوے یعنی خواہشات کے پورا کرنے میں یا اُن کے ترک کرنے میں حدِ اعتدال سے گذر جائے۔ تو اُس کو علم وید بھی حاصل نہ ہو سکے اور نہ وہ وید کے مطابق کام کر سکے۔ اس سے صاف یہہ مطلب اور نتیجہ برآمد ہوتا ہی۔ کہ انسان اس قدر برہمچرج کی بلا میں مبتلا نہ ہو جس سے سندہستی میں کوئی خلل واقع ہو جائے خواہشات

جائز کو نہ روکے اور ناجائز کے پورا کرنے میں کوشش نہ کرے۔ اب یہہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا سوامی جی نے منوجی کے حکم کے مطابق میانہ روی کو اختیار کیا یا نہیں۔ اور وہ اعتدال پسند تھے۔ یا قانونِ قدرت اور منوجی کے اس حکم کے پابند تھے۔ علم وید سے آراستہ تھے۔ احکام وید پر عمل فرما ہوئے۔ جواب ملتا ہی۔ سوامی دیانند سرسوتی نے تمام عمر برہمچرج کو قائم رکھا ضرور یہہ عمل منوجی کے اس حکم کے خلاف ہوا۔ مگر دراصل یہہ شلوک بعد کو بنا کر دوسرے لوگوں نے منوسمرتی میں داخل کر دیا ہی۔ سوامی جی نے بھول کر نقل کر دیا ہوگا۔ یہہ مکالمہ سوال و جواب کے طریقہ پر درج کیا جاتا ہی۔

برہمچرج کے متعلق مکالمہ

سوال۔ تمام عمر عالم تجرد میں گذارنے کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ جو قانونِ قدرت کے خلاف ہی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بقائے نسل نہیں رہتی۔ اور خواہش بقا جو ہر انسان میں فطرتاً موجود ہے مٹی جاتی ہی۔

جواب۔ برہمچرج کا طریقہ ہمارے رشیوں اور منیوں نے (جو فقیرانہ بھیس میں رہتے تھے) ایجاد کیا ہے سمجھ لو فقیروں کو بقائے نسل اور خواہش بقا سے کیا کام ہی اُن کی بلا سے دنیا آباد رہے۔ یا غیر آباد وہ تو پارسائی کے ساتھ اپنی عمر گذار دیتے ہیں۔ قانونِ قدرت کے موافق ہو یا خلاف یوگیوں کو اس سے کیا غرض اور سچی بات تو یہہ ہی۔ کہ پرمیشور کو یہہ پارسائی اور یوگ ابھیاس بہت ہی پسند ہے۔ اور چونکہ ہم کو سوامی جی کی نسبت یہہ یقین ہی۔ کہ جو کچھہ انہوں نے کیا وہ بالکل ٹھیک ہی ٹھیک تھا۔ اس لئے یہہ برہمچرج قانون قدرت کے خلاف نہیں ہی۔ معترض (معقول)

سوال۔ کیا سوامی جی نے منوجی کے حکم کے موافق برہمچرج میں میانہ روی کو اختیار کیا

جواب۔ اس کی نسبت ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ منوسمرتی میں بہت سے جھوٹے شلوک داخل

کر دیئے گئے ہیں۔ اُن ہی جھوٹے شلوکوں میں سے یہہ شلوک بھی ہے۔ جس کو سوامی جی بھول کر لکھہ گئے ہوں گے۔ ورنہ برہمچرج تمام عمر رکھا جائے تو بہت بڑی عبادت اور نجات کا سبب ہوتا ہے۔ اِس معاملہ میں اعتدال کی ضرورت نہیں۔ میانہ روی اور کاموں میں ہونی چاہیئے۔ معترض (کیا معاملہ ہے)

سوال۔ کیا سوامی جی عالم وید یا عامل احکام وید تھے؟

جواب۔ سوامی جی وید کے علوم خوب پڑھے ہوئے تھے۔ رہا عمل کچھہ احکام وید پر بھی تھا۔ مگر زیادہ تر یوگ درشن اور منوسمرتی پر کیونکہ سوامی جی یوگی (جوگی) تھے۔ اِس لئے اکثر یوگ کے طریقوں پر چلتے تھے۔ اِس معاملہ میں وید کے احکام کا ماننا جو یوگ کے خلاف ہیں۔ ان کے لئے ضروری نہ تھا۔ منوسمرتی میں جو لکھا ہے۔ کہ بے غرض آدمی کو علم وید حاصل نہیں ہوتا۔ یہہ بالکل غلط ہے۔ سوامی جی بے غرض اور کسی قسم کی خواہش نہ رکھنے والے بھی تھے اور عالم بھی۔ سب سے بڑی بات یہہ ہے۔ کہ سرسوتی جی نے مذہب ہنود میں نئی روح اسی یوگ کے ذریعہ سے پھونک کر دوبارہ جان ڈالدی۔ ورنہ یہہ بیچارہ تو کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ اور خود ہمیشہ کے لئے نجات پا گئے۔ معترض (خوب نجات ملی) واہ ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسیدکا

رُوح اور دل کے افعال کی تردید

عبارت متن صفحہ ۵۴ سطر ۹ لغایت ۱۱ — از باب سویم

جس طرح دانشمند کوچوان گھوڑوں کو قابو میں رکھتا ہے۔ اُسی طرح دل (نفس) اور رُوح کو بُرے کاموں کی طرف کشش کرنے والی اشیاء میں لگی ہوئی اندریوں کو ہر طرح سے قابو میں رکھنے کی کوشش کرے۔ (منو ادھیائے ۲ شلوک ۸۸)

جواب۔ مصنف صاحب اپنی اور اپنے رشی منوجی کی واقفیت کا اظہار کئے بغیر نہیں

وہ سکتے۔ ہم نے جاہا تھا۔ جہان تک ہو سکے اچھا ہے پردہ ڈھکا ہی رہے مگر جو شخص اپنے ہاتھوں اپنے پاؤن میں کلہاڑی مارے۔ اس کا ہمارے پاس کیا علاج ہے۔ خود کردہ را علاج نیست۔ لفظ (نفس) جو متن میں ہے۔ مترجم کی ایجاد ہے۔ سوامی جی صرف روح اور دل کا ذکر فرماتے ہیں۔ حالانکہ دل میں کوئی قوت ایسی نہیں جو روح نفسانی کے افعال کو روکنے والی ہو البتہ قوت قوت واہمہ ہے جو نفع اور ضرر کو محسوس کر کے کسی فعل کے کرنے سے باز رکھتی ہے۔ جو لوگ عرف عام میں یہہ کہدیا کرتے ہیں کہ فلان چیز کو دل چاہتا ہے۔ یا فلان شے کی خواہش دل میں ہے۔ وہ حقیقتاً دل کی خواہش نہیں ہوتی۔ (جس کو علم طب سے ذرا بھی لگاؤ ہے وہ جان سکتا ہے) بلکہ کھانے پینے والی چیزوں کی خواہش جگر کرتا ہے۔ اختلاط نفسانی کی خواہش دماغ کو ہوتی ہے۔ اور ان سب خواہشات کا ظہور واہمہ کی تصدیق و تکذیب کے بعد وقوع میں آتا ہے۔ دل خواہشات کا منبع نہیں ہے۔ نہ دل کو اس کو جوانی سے کوئی تعلق۔ نہ گھوڑا گاڑی کھینچنے سے کوئی نسبت۔ نہ دانشمندی سے لگاؤ۔ نہ اندیشوں سے کوئی واسطہ۔

سوامی جی اور طبی واقفیت

مقلد۔ جناب کچھ بھی نہ سہی مگر سوامی کی طبی واقفیت میں کیا کمی ہے۔ معترض۔ کیا دماغ کے فعل کو دل کا فعل قرار دینا طبی واقفیت ہے۔ مقلد۔ دل اور دماغ کی بحث کو ہم نہیں جانتے۔ مگر منو جی بڑے رشی اور فاضل گذرے ہیں۔ جن کو عموماً منو بھگوان کہتے ہیں ان کے فرمان سے ایک مقولہ سوامی جی نے نقل کر دیا ہے۔ منو جی طبی علوم سے پورے طور پر واقف تھے۔ معترض اگر یہی طبی واقفیت ہے تو سماجی کشتی آج نہیں کل غرق ہو جائے گی۔ بقول لیکہ ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

رُوحِ نفسانی کبھی) اندریوں کے قابو میں نہیں آتی۔ ہاں بُرے خیالات اور بد یقینیاں قوت واہمہ کو مکدر کر دیتی ہیں اور وہ اِس دھندلے پن میں فائدہ اور ضرر میں کوئی ما بہ الامتیاز فرق نہیں پیدا کر سکتی اور غلطی میں پڑ جاتی ہی۔ البتہ رُوح حیوانی کا (جس کا تعلق دل سے ہے) یہ کام ہے کہ وہ قوت واہمہ کے حاصل کردہ یقین کی تصدیق کرے۔ اسی کو عرف عام میں تصدیق بالقلب کہا جاتا ہی۔ دل پر اس یقین کی عمدگی یا نقص کی نسبت صرف خوشی۔ غم۔ غضب۔ یا خوف کا اثر ہوتا ہی۔

حواس ظاہری و باطنی کی تفصیل

عبارت متن صفحہ ۵۴ سطر ۱۷ و ۱۸ از باب سوم

جس دُشٹ بدکردار آدمی نے حواس پر غلبہ نہیں پایا اُس کے لئے وید تیاگ یگیہ۔ نیم۔ تپسیہ اور دیگر اچھے کام کبھی بارآور نہیں ہوتے۔ منواد ہیائے ۲ شلوک ۹۷۔

جواب مصنف صاحب نے گو حواس کی تشریح نہیں کی۔ مگر یوگ درشن سادھن پاد ۲ سوتر ۱۷ و منواد ہیائے ۲ شلوک ۹۰ و ۹۲ میں گیارہ اندریاں بیان کی گئی ہیں۔ سامعہ[1] باصرہ[2]۔ شامہ[3]۔ ذائقہ[4]۔ لامسہ[5]۔ ہاتھ[6]۔ پانوں[7]۔ زبان[8]۔ مقام پاخانہ[9]۔ مقام پیشاب[10]۔ من[11]۔ ہمیں تعجب ہے کہ ان اندریوں پر غلبہ پانے سے کیا غرض ہے۔ اگر صرف بُرے کام کرنے سے روکنا مراد ہے تو ہمیں یہ بتایا جائے۔ کہ جلد اور مقام پاخانہ کیا بُرے کام کرتے ہیں۔ یا ناک۔ یہ سونگھتی ہی۔ اور بدبو سے بچاتی خوشبو کو قبول کرتی ہی۔ جلد صرف محسوسات کے سخت و نرم اور سرد و گرم میں تمیز کراتی ہی۔ کیا خطا کرتی ہی۔ رہا مقام پاخانہ وہ فضلے کو دفع کرتا ہی۔ اگر اِس فضلے کو بھی سوامی جی کو غلبہ پاکر دبائے رکھنا منظور ہے تو دیکھیں کب تک دبائے رہیں گے۔ یہ تو احکام جبریہ میں سے ایک حکم ہے ہوگا۔ اور پھر ہوگا

البتہ سوامی جی کا غلبہ دیکھنا ہی۔ کب تک اندر ہی اندر ہاضم کریں گے۔ اور اس ہاضمہ پر جو بدہیا کی
یگیہ۔ نیم۔ تپسیا اور دیگر اچھے کام کیونکر بار آور ہوں گے۔ یا مقام پاخانہ سے ریح خارج ہوتی
ہے۔ اس کو بھی روکنا اور ہضم کرنا محالات سے ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تندرستی میں خلل
واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہی۔ زبان بیچاری اچھا برا ذائقہ بتا دینے سے گنہگار ہوئی یا بدکلامی
و خوش گفتاری کے عیب سے خطاوار ہے۔ سوامی جی نے تو صرف ذائقہ ہی کے متعلق
اکثر ذکر فرمایا ہی خوش گفتاری یا بدکلامی پر اس کو ملزم نہیں گردانا۔ خیر زبان ہو یا آنکھیں
ہاتھ ہوں یا مقام پیشاب ان پر غلبہ پانے سے یہ مراد ہو سکتی ہی۔ کہ برے کاموں سے بچے
رہیں۔ مگر ان سب کی روک تھام صرف خیالات کے ذریعہ سے ہو سکتی تھی۔ خواہ مخواہ
سوامی جی نے اتنا گنجن گایا سر کی خبر نہ پیر کی حواسوں پر ہو رنج گئے۔ اندریوں کی کتھا
جا بکھانی یہ نہ سمجھے۔ کہ اس روک تھام کے لئے صرف پابندی خیالات ہی کافی ہی۔ اندریوں
پر زور دینے اور غلبہ پانے کی کیا احتیاج ہی۔

دل کو حواس سے تعلق نہیں

طرہ یہ ہے کہ منو جی اور مہرشی پتنجل مصنف یوگ درشن نے تو اور بھی غضب ڈھایا ہے
بقولیکہ۔ ایک سے ایک زیادہ ہے پچھلنے کے لئے یہ دونوں جو قانون طب بگھارنے بیٹھے تو
من (دل) کو بھی حواس ہی میں شمار کر گئے۔ اور سوامی جی صاحب (ڈاکٹر کہوں یا حکیم) اس
عجیب و غریب ایجاد کو فوراً ہی مان گئے۔ بھلا غور تو کیجئے۔ دل کو حواس سے کیا تعلق۔ من
کو اندریوں سے کیا واسطہ۔ بادشاہ کو خدمتگاروں کے کام سے کیا نسبت۔ اس واقفیت پر
یہ دعویٰ ہی۔ کہ جو علم طب سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہی۔ اشعار

تیرے اقوال نظر آتے ہیں اکثر جھوٹے ؛ تو بھی جھوٹا ترے دعوی بھی سراسر جھوٹے
ہم تو کہتے نہیں کچھ اپنی زباں سے لیکن ؛ ایسے بن جاتے ہیں دنیا میں پیمبر جھوٹے

وید کا پڑھنا پڑھانا قطعی بے کار ہے

عبارت متن صفحہ ۵۴ - سطر ۲۲ لغایت ۲۷ از باب سویم

وید کے پڑھنے پڑھانے سندھیا و پاسنا وغیرہ پانچ مہا یگیوں کے کرنے اور ہوم یگ وید منتروں سہت کرنے میں ناغہ کرنے کے بارے میں کسیطرح اجازت نہیں ہی - کیونکہ تپ کرم میں ناغہ نہیں ہوتا - جس طرح سانس ہر وقت آتا جاتا رہتا ہے - اسی طرح تپ کرم بلاناغہ ہر روز کرنا چاہیئے - کیوں کہ بڑھنی میں ناغہ کی حالت میں بھی اگنی ہوتر وغیرہ اچھا کام کیا ہوا موجب ثواب ہوتا ہی جسطرح جھوٹ بولنے سے ہمیشہ گناہ اور سچ بولنے سے ہمیشہ ثواب ہوتا ہے اسی طرح برا کام کرنے سے ہمیشہ ناغہ اور اچھا کام کرنے سے ہمیشہ مطالعہ ہی ہوتا ہی (منو دھیائے ۲ - شلوک ۱۰۵ و ۱۰۶)

جواب - سندھیا و پاسنا یعنی دونوں وقت ملنے کی عبادت وغیرہ پانچوں مہا یگیوں کی نسبت تو ہم باب چہارم میں مفصل جواب تحریر کریں گے - یہاں صرف وید کے پڑھنے پڑھانے کے متعلق اتنا لکھتے ہیں - کہ ایسی وید کا پڑھنا پڑھانا - جسمیں جملہ مسائل از روے دلائل معقولی ومنقولی طبائع انسانی (طرز معاشرت - طریق تمدن - قانون اخلاق - قاعدہ فطرت احکامات الہیہ) کے خلاف درج ہوں نہایت بے سود اور مخرب اخلاق ہیں - اور اکثر جگہ ایسے فحشیات درج ہیں - جن کو غیر مہذب لوگ بھی ورد زبان کرنا ناپسند کرتے ہیں یجروید میں تو قلم ہی توڑ دیا ہی - مثلاً عورت اپنے خاوند سے کہتی ہی - کہ جیسا تو میرے مقام پیشاب کی نگہداشت کرتا ہی - دیسے ہی میرے مقام پاخانہ کو نگاہ رکھہ یعنی جو قبل کی خدمت تو انجام دیتا ہی - اسی طرح دُبر کی بھی خدمت کر - لُطف یہہ ہے - کہ عورت کی تمام آرزوں اور خواہشات کا پورا کرنا مرد کے فرائض مذہبی میں داخل ہی - غور فرمایئے ایسی صورت میں مرد بیچارہ کیا کرے

اگر تعمیل حکم سے دریغ کرتا ہی۔ تو شرعی گنہگار ورنہ فعل خلاف وضع فطری کا سزاوار ٹھہرتا ہی۔ گو ویدی ودیا نندی پرمیشور کی خوشی ہو جائے۔ مگر منصف گورمنٹ کا قانون ضرور لٹکا پار اوتار کر جہنم رسید کر دیگا۔ لہذا ایسی عبادت کے بجالانے سے ناغہ کر دینا بدرجہا اچھا ہی۔ اگنی ہوتر کو کار ثواب سمجھنا کس قدر بیوقوفی کی دلیل اور جہالت کا ثبوت ہی۔ جو مصنف کو اعتقادات آتش پرستی کے جادہ سے کسیوقت ہٹنے نہیں دیتا۔ اس کی مفصل تردید ہم باب دویم میں لکھ چکے ہیں۔ سچ بولنا مصنف صرف مقولات وید کو سمجھتا ہی۔ جس کا کچا چٹھا ہم ساتویں باب میں بیان کریں گے۔

عمر اور طاقت کی ترقی صحتِ جسمانی سے حاصل ہوتی ہی

عبارت متن صفحہ ۸۴۔ سطر ۳ لغایت ۵ از باب سویم

جو ہمیشہ متواضع۔ نیک خو۔ جو عالم اور بزرگوں کا خادم ہوتا ہی۔ اس کی عمر علم۔ شہرت اور طاقت چاروں چیزیں ہمیشہ بڑھتی ہیں اور جو انسان ایسا نہیں کرتے ان کی عمر وغیرہ چاروں چیزیں نہیں بڑھتیں۔ (ادھیائے ۲ شلوک ۱۲۱)

جواب۔ تواضع اور خاطرداری کرنا ضرور اچھی اور بہت اچھی عادت ہی۔ مگر بزرگوں اور عالموں کی خدمت سے عمر اور طاقت کی ترقی کو کوئی واسطہ نہیں البتہ یہہ دونوں چیزیں صحتِ جسمانی اور حفظ ماتقدم سے محفوظ و مامون رہ کر اپنے انتہائی درجہ تک پہونچ سکتی ہیں۔ نہ کہ بقول مصنف عمر چار سو برس تک ہو سکتی ہو جو اس زمانہ میں ثابت نہیں۔ ہاں علم اور شہرت ضرور علماء کی صحبت اور تواضع وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ مگر عمر جیسی عزیز شی کی نسبت ہوس دلانا اور امید بندھانا (جس سے زیادہ انسان کو دنیا میں کوئی شے پیاری نہیں) کس قدر خلاف عقل۔ صریحی جھوٹ۔ کھلا ہوا دھوکا ہے۔ کاش سماجی صاحبان اس گمراہی سے نکلکر آنکھیں کھولیں۔ اور اب بھی حق و باطل میں تمیز کریں۔

صفت پرہیزگاری کا وید میں ذکر نہیں

عبارت متن صفحہ ۶ہم سطر ۹ لغایت ۱۳ ازباب سویم

علما اور طلبا کو واجب ہے۔ کہ کینہ کو چھوڑ کر سب آدمیوں کو راہ خیر کی ہدایت کریں۔ اور ہادی ہمیشہ شیریں اور دلکش کلام بولیں جو شخص دہرم کی ترقی چاہے۔ وہ ہمیشہ راستی پر چلے۔ اور راستی کی ہدایت کرے جس آدمی کی زبان اور دل صاف اور ہمیشہ قابو میں رہتے ہیں۔ وہی ویدوں کے آخری مقصد کو حاصل کرتا ہی (ادھیائے ۲ شلوک ۱۵۹ و ۱۶۰)

جواب۔ ہمارے خیال میں پرہیزگاری کے اوصاف میں سے بہت سے اعلیٰ صفات کا سوامی جی نے یا وید مقدس نے ذکر نہیں کیا۔ اگر یوں لکھتے تو بہتر ہوتا کہ علمار اور طلبار اتقار اختیار کریں۔ بس ایسی ہدایت صرف کلام اللہ ہی کر سکتا ہی۔ یہ کسی انسان یا اُس کی من گھڑت کتاب کا کام نہیں (جس کا نام پاکی اور تقدس کے ساتھ ورد زبان کیا جاتا ہو) پرہیزگاری کے لئے یہی صفات کافی نہیں ہو سکتے کہ انسان کینہ کو چھوڑ دے شیریں کلامی اختیار کرے سچ بولے دل اور زبان کو قابو میں رکھے۔ اس کی شرح ہم کلام مجید فرقان حمید سے کرتے ہیں۔

پرہیزگاری کی مثال قرآن مجید سے

سماجی صاحبان آیہ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ o وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o ترجمہ۔ یہ کتاب جس میں شک نہیں۔ پرہیزگاروں (خدا سے ڈرنے والوں کو) راستہ دکھاتی ہی۔ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر

اور نماز پڑھتے ہیں اور اُس چیز سے جو ہم نے دی (رزق) خرچ کرتے ہیں۔ جو ایمان لاتے ہیں تجھ پر (محمدؐ پر) اور جو تجھ پر اُتارا گیا (قرآن کریم) اور جو تجھ سے پہلے اُتارا جا چکا (توراۃ زبور۔ انجیل) اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی ہیں۔ نجات پانے والے۔ مندرجہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۵۳ سطر ۱ باب چہارم میں بغور ملاحظہ فرمائیں۔ یہہ ہوتا ہی کلام الٰہی جو چند فقروں میں جملہ مطالب کی شرح کر دیتا ہے۔ (جس کو وید سینکڑوں مقامات پر انسانی نامۂ اعمال کو سیاہ کرتا ہوا ہدایت کرنا چاہتا ہے۔ مگر پھر بھی صفت پرہیزگاری کو بیان نہیں کر سکتا) اسکو اہلِ معانی و بیان کامل فصاحت اور بلاغت کہتے ہیں۔ اور ایسی فصاحت یا بلاغت سوائے کلام اللہ کے کہیں نہیں پائی جاتی۔ جو کلام انسانی و کلام الٰہی میں باعثِ تمیز ہے۔

پرہیزگاری۔۔۔۔۔اعلیٰ ترین صفت ہے

ماسوائے دیگر نیک صفات کے اعلیٰ ترین صفت خوف الٰہی ہی۔ جس کے تابع تمام اوصاف اخلاقی۔ راست گوئی۔ صفائی قلب۔ پابندی۔ نیک باطنی۔ شیریں کلامی۔ بغض و حسد سے بریت۔ قناعت۔ صبر۔ استقلال۔ محبّت۔ انصاف۔ رحم۔ سخاوت شجاعت وغیرہم ہوتے ہیں۔ خوف الٰہی ہی ایسی چیز ہے۔ جو آدمی کو متقی و پرہیزگار بنا کر راہ حق اور صراط مستقیم بتا دیتا ہی۔ مگر سوامی جی کہاں سے لاتے جب کہ اُن کے رشی منی ہی اس صفت سے متصف نہ ہوتے۔ سچ پوچھو تو اس بیڑے کو غرق کرنے والے مصنفین ویدہی تھے۔ جو اس صفت خوف الٰہی سے ممتاز نہ ہو سکے سوامی جی بیچارے کا کیا قصور۔ گو وہ مثل ہے۔ "تا دیدہ کسے ڈبوئی خضر نے"۔ مگر سوامی جی کو لکیر کا فقیر نہ بننا چاہیئے تھا۔

وید کو نہ پڑھنے سے شودر ہو جاتا ہے

عبارت متن صفحہ ۷۶ سطر ۲۲ و ۲۵ از باب سویم

جو وید کو نہیں پڑھتا ۔ اور کاموں میں کوشش کیا کرتا ہی۔ وہ اپنے لڑکوں بالوں سمیت جلدی ہی شودر کے درجہ پر گرجاتا ہے۔

جواب ۔ جملہ اہلِ ہنود میں فیصدی پانچ وید کے پڑے ہوئے ملنا تو در کنار فی ہزار بھی پانچ مشکل سے نکل سکیں گے ۔ لہذا بحسابِ اعداد و شمار سوائے دس یا پانچ نفوس کے سب شودر ہی شودر رہ گئے ۔ اور شودر کے لئے منوسمرتی جس کا حوالہ جابجا سوامی جی دیتے ہیں ۔ ادہیائے اوّل شلوک ۹۱ میں حکم دیتی ہی ۔ کہ شودر کے لئے ایک ہی کرم پربھو نے ٹھیرایا یعنی صدق دل سے ان تینوں ورنوں کی خدمت کرنا ۔ اِس لحاظ سے سب کو خدمتگاری ہی کا کام انجام دینا چاہئیے ۔ جس سے سوامی جی بھی بچتے ہوئے نظر نہیں آتے کیونکہ ممکن ہی کہ اُن کے اجداد میں سے بھی کسی نے وید کو نہ پڑھا ہو اور اُس نے اپنے تمام آیندہ خاندان کو شودرپن کا ٹیکا لگاکر خدمتگار بنا دیا ہو ۔ علاوہ ازیں مسئلہ آواگون کو مانتے ہوئے تمام شودروں کو وہ جونیں اختیار کرلینی چاہئیں جو اُن کے لئے جانوران وغیرہ میں سے مقرر ہیں ۔ اور اُس آواگون کے پھیر سے شودر پھر انسانی جون کو اختیار نہیں کرسکتا نیچے ہی کے درجات پر گرتا چلا جاتا ہی ۔ پھر تعجب ہے کہ اِس پھیر کو منسوخ کرکے سوامی جی برہمن کی جون میں کیونکر آگئے ۔ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہی ۔ کہ لڑکے بالے بھی شودر کے درجہ پر گرجاتے ہیں لڑکے بالوں کا کیا قصور ہے ۔ جو وہ بیچارے والدین کے افعال کی سزا میں شودر کے درجہ پر گرا دیے جائیں ۔ کیا ایسی صورت میں ویا نندی پرمیشور عادل یا منصف ہو سکتا ہی واہ وا ۔ کرے مونچھوں والا اور پکڑا جائے ڈاڑھی والا ۔ اس پرمیشور کے مقابلہ میں اسلامی خدا کو آنکھیں کھولکر دیکھو جس کا یہ قانون ہے کہ جو کرتا ہی وہی بھرتا ہے یہ ہے حقیقی عدل والصاف

تعریف اور تکبر میں فرق

عبارت متن صفحہ ۹۴ سطر ۱۶ و ۱۷ ازباب سویم

وہی برہمن مکمل طور پر وید اور پرمیشور کو جانتا ہے۔ جو ہمیشہ پرتشٹا (تعریف) سے زہر کی مانند ڈرتا ہے۔ اور اپمان (خاکساری) کی خواہش آب حیات کی طرح کرتا ہے (منواد ھیائے ۲ شلوک ۱۶۲)۔

جواب۔ ہماری رائے میں اگر بجائے لفظ تعریف مصنفین وید سوامی جی لفظ تکبر لکھتے تو اچھا تھا۔ تعریف اور تکبر میں بڑا فرق ہے۔ تعریف اُن صفات کا ذکر ہوتا ہے۔ جو واقعی انسان میں یا کسی موجوداتِ عالم میں پائے جاویں۔ اور اگر اُن اوصاف سے زائد بیان کیا جاوے تو اُس کو تعریف نہیں کہتے۔ بلکہ وہ ہجو ملیح ہے۔ ہاں تکبر ہی وہ مذموم صفت ہے۔ کہ جس سے انسان کو ڈر کر عاجزی وانکساری کو پسند کرنا چاہیئے۔ تعریف سے نہ ڈرنا چاہیئے۔ نہ اُس پر کوئی فخر وناز کا موقع۔

خوشبودار اشیاء کا استعمال معیوب نہیں

عبارت متن صفحہ ۴۰ سطر ۴ لغایت ۱۱ از باب سویم

برہمچاری وبرہمچارنی شراب پینے۔ مانس کھانے۔ خوشبودار اشیاء کے برتنے ہاروں کے پہننے۔ خوش ذائقہ اشیاء کے کھانے۔ عورت اور مرد کی صحبت میں رہنے۔ ہر قسم کی ترشی استعمال کرنے اور جانداروں کو ایذا دینے اعضا ملانے بغیر ضرورت عضو تناسل کو چھونے۔ آنکھوں میں کاجل لگانے جوتہ اور چھاتا رکھنے۔ شہوت۔ غصہ۔ لالچ۔ الفت۔ خوف۔ غم بغض کینہ اور ناچنے۔ گانے۔ باجا بجانے۔ جوا کھیلنے۔ لوگوں کی غیبت۔ چغلی کرنے جھوٹ بولنے۔ عورتوں کے دیکھنے اوروں کے بھروسہ پر رہنے سے اور اوروں کے نقصان وغیرہ بُرے کاموں کے کرنے سے بچے رہیں۔ ہمیشہ علیحدہ سوئیں۔ منی کو کبھی ضائع نہ کریں۔ جو اپنی مرضی سے منی کو خارج

کردے تو جانو کہ اُس نے اپنے برہمچرج برت کو توڑ دیا ہے۔ (ادھیائے دویم شلوک ۱۷۷ لغایت ۱۸۰)

جواب۔ علاوہ اخلاقی برائیوں کے (جو برہمچاریوں ہی کے لئے بری نہیں ہیں۔ بلکہ تمام عالم کے عقلاء بپابندئی طرزِ معاشرت وطریقِ تمدن مانتے ہیں) اور تمام ہدایات مندرجہ بالا پر ہم کو اعتراض ہے۔ اول تو طریقہ برہمچرج ہی فلسفۂ طب اور اہل عقول کے نزدیک معیوب طریقہ ہے۔ اور اُس پر سوامی جی کے بے تکے پن اور وید کے اُلٹ بھید نے عجیب قسم کی معجون مرکب بنا دیا ہے۔ حالانکہ خود ہون یا ہوم کے قواعد میں خوشبودار اشیاء کے استعمال کی ہدایت کرتے ہیں۔ اور خود ہی خوشبودار اشیاء کے برتاوے میں لانے کو مانع ہوتے ہیں۔ خوشبودار اشیاء کا استعمال رُوح کو فرحت۔ قلب کو مسرت۔ دماغ کو طاقت۔ قوائے حیوانی کو وہ قوت بخشتا ہے۔ کہ جس کا اندازہ غالباً ایک انسان بمشکل بھی نہیں کرسکتا۔ افسوس ایسی عقول پر جو مضر صحت گھی جلا کر جہاں ہند پھیلانے کو ثواب سمجھیں۔ اور خوشبویات کے سونگھنے کو گناہ خیال کریں۔ خوشبویات کا استعمال روا نہ رکھیں تو کیا بدبودار چیزوں کو بتویں۔

خوش ذائقہ اشیاء کا کھانا نافع صحت ہے معہ دلیل

اسیطرح خوش ذائقہ اشیاء کا کھانا بھی صحت کو نافع ہے جیسا خوشبودار اشیاء کا سونگھنا کسی جگر خواہشات تغذیہ کا منبع ہے جو کبھی بدذائقہ غذا کو پسند ہی نہیں کرتا۔ اور جب تک کہ جگر کا خادم معدہ اُس غذا کو اپنے رئیس کے قابل نہیں بنا لیتا اُس وقت تک رئیس قبول نہیں کرتا۔ تب معدہ مجبور ہوتا ہے۔ کہ اُس غذا کو بطریق قے دفع کرے۔ چنانچہ ہمیشہ حسب منشاء جگر انسان غذا کی خواہش کرتا ہے جس لذت کی جانب جگر کو رغبت ہوتی ہے وہی خواہش انسان کو پیدا ہوتی ہے اگر بجبر بدذائقہ غذا کو جگر میں داخل کر بھی دیا جائے۔ تو

وہ بجائے اِس کے کہ اُس بدذائقہ غذا سے تغذیہ حاصل کرے۔ متاذی ہوکر نقص پذیر ہو جاتا ہی اِس لئے انسان کو ہمیشہ حدِ اوسط میں خوش ذائقہ غذائیں استعمال کرنا چاہئیں۔

عورت اور مرد کی علیحدگی باعث انقطاع نسل ہی

عورت اور مرد کی صحبت فطرتاً ثابت ہوتی ہی۔ جب کہ وہ دونوں اِس قابل ہو جائیں۔ ان دونوں کی جدائی باعث انقطاع نسل انسان ہی۔ اِس قسم کی ممنوعات پر غور کرنے سے نقصان ہی نقصان نظر آتا ہی۔ جس کو ہم مفصل پیشتر بیان کر چکے ہیں۔

ترشی کا استعمال اور اُس کے منافع

ترشی کے استعمال کو ترک کرانے اور کرنے کا خیال سوامی جی کو زیادہ تر دعوتوں میں اچار وغیرہ ملنے کی وجہ سے آیا ہوگا۔ جس سے سخت تنگ آکر سوامی جی صاحب نے بحوالہ منوسمرتی (جس میں اکثر غلطیاں ہونا تسلیم فرماتے ہیں) ایسے غلط احکام پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ہی۔ حالانکہ ترشی کا استعمال تقطیع صفرا اور رقت خون کے لئے بے نظیر نسخہ ہی۔ ترشی کا استعمال ہندوستان میں اکثر مزاجوں کے موافق ثابت ہوتا ہی۔ یہاں تک کہ بعض بعض مقامات پر اگر ترشی استعمال نہ کی جائے۔ تو سخت ترین امراض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہی۔ جیسا کہ نواحِ دکن میں ترشی کا استعمال ہر موسم میں ضروری ہی۔ (مگر ہاں ایسے مقامات کے واسطے قانون وید نافذ نہیں ہوا۔ نہ منو صاحب کو کچھ خیال رہا۔ ورنہ وہ اِس کمی کو پورا کر دیتے) منشی جناب قانونِ الٰہی وہ ہوتا ہی جو تمام رقبۂ زمین کے لئے یکساں ہو۔

موسمی ترشاوی فطرتاً مفید ہوتے ہیں

قدرت کاملہ نے ترشی ہی کو نہیں بلکہ قریب قریب ہر شے کو انسان ہی کے واسطے پیدا کیا ہی

خواہ اسکا استعمال داخلی ہیں عقل و تجربہ نے رعار کہا ہو یا خارجی ہیں۔ کوئی چیز دنیا میں بے فائدہ اور عبث نہیں پیدا کی گئی اِسی قبیل سے ترشی بھی ہے۔ جو استعمالِ انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ جن موسموں میں جو ترشاوے پیدا ہوتے ہیں اُن فصلوں میں اُن کے فوائد کو اگر دیکھا جائے تو بسیار نظر آتے ہیں۔ جنکو احاطہ تحریر میں لانا طوالت سے خالی نہیں۔ لہٰذا ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ اگر صحیح المزاج شخص موسمی ترشاوے استعمال نہ کرے تو ضرور ہے۔ کہ اُس کی صحت کو کوئی صدمہ پہونچے۔ کیونکہ فطرتاً طبیعت اُس شے کی خواہشمند ہوتی ہے۔ جو اُس موسم میں پیدا ہوتی ہیں اور وہ شے بمقتضائے قانونِ فطرت مفید بھی ہوتی ہے۔ جس کی مثال یہہ ہے کہ اگر برسات میں کوئی تندرست شخص ترشیاں نہ کھائے (ترشی ملیریا کے جرمس کیڑوں کو ہلاک کر ڈالتی ہے۔ اور صفرا کو قطع کرتی ہے۔) تو وہ تپ و لرزہ سے کبھی معرّا نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا منوجی کی من گھڑت غلط۔

منوسمرتی سے جانداروں کی ایذا رسانی کا ثبوت

جانداروں کو ایذا نہ پہونچانے سے معلوم نہیں۔ سوامی جی کی کیا غرض ہے۔ اگر صرف جانداروں کو ذبح کرنے سے مراد ہے۔ تو یہی منوسمرتی جس کا یہہ حکم ہے ادھیائے ۵ شلوک ۲۸ و ۳۶ میں گوشت خوری کے واسطے ہدایت کرتی ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد یہہ قاعدہ ہے۔ کہ ہر ایک پہلا حکم حکم مابعد کے نفاذ پر منسوخ ہو جاتا ہے۔ چونکہ ممانعت کا حکم شروع منوسمرتی ادھیائے دویم میں ہے۔ اور اجازت ادھیائے پنجم میں مذکور ہے۔ اس لئے پہلا حکم منسوخ کے قابل ہے۔ اور دوسرا حکم ناسخ ہے اور لائق عمل۔ ہم گوشت خوری کو دلائل عقلی سے بھی آئندہ ثابت کریں گے۔ یہاں صرف سماجی رشی کے حوالہ کتاب منوسمرتی کو کافی سمجھتے ہیں جس کا سر اوہی کا.... اس کے علاوہ آگ میں جلانے کو ہوم کے لئے کستوری والے ہرنوں کا مارنا کہاں تک جائز ہے۔ اور تحقیق جدید کے موافق ہوم کر کے دھونی دینے سے کتنے جراثیم

مفید صحت انسان غیر مفید جراثیم کے ہمراہ مار ڈالے جاتے ہیں۔ یہہ گناہ کس کے ذمہ ہے۔

کاجل یا سُرمہ لگانا عیب نہیں

آنکھوں میں کاجل یا سُرمہ لگانے سے یہی مُراد نہیں ہوتی۔ کہ صرف آنکھوں کے پپوٹوں کو سیاہ کر لیا جائے۔ بلکہ اُس سے کوئی فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ جو آدمی سُرمہ لگانے کو بجائے اُس کے فوائد پر نظر ڈالنے کے صرف آنکھوں کے رسیلے پن اور طرزِ عاشقی میں داخل کرتا ہے۔ وہ اپنے خیال کے موافق دوسروں پر قیاس دوڑاتا ہے۔ ایسے شخص کو ہم اگر نیٹ اندھا نہ کہیں تو اور کیا کہیں جو زبردست نفع کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ کہیں لوگ اُس کو نیکی کے درجہ سے نہ گرا دیویں۔ حالانکہ یہہ ایک ایسا فعل ہے۔ جو کسی نیک ذات پر دہبہ لگانے والا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق ہم سماجی صاحبان ہی کے یہاں کی ایک مثال پیش کرتے ہیں غور فرمائیے ہندی مثل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "اپنا من چنگا تو کٹھوتی میں گنگا"۔ مطلب صاف ہے۔ ڈاڑھی مونچھیں منڈوا کر چکنے چپڑے گال کر لینے سے اُس فائدہ جسمانی کا حاصل کر لینا جو سُرمہ لگانے سے ظہور میں آتا ہے بدرجہا بہتر ہے۔ اگر سوامی جی ان بھیدوں کو سمجھ لیتے تو یقیناً یہہ شکل اختیار نہ فرماتے۔ منو سمرتی کے الٹے بھیدوں سے واقف ہو جاتے تو اس چکر میں نہ پڑتے۔

چھاتہ ضرورت کے وقت رکھنا مفید ہے

جوتہ اور چھاتا رکھنے کے متعلق ہم اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ اوّل تو ہر مقام کی ضروریات جداگانہ صورتیں اختیار کرتی ہیں اس لئے جہاں جیسی ضرورت ہو۔ ویسا ہی عمل کرنا مناسب ہے۔ ہندوستان کے اکثر مقامات میں جہاں دہوپ سخت پڑتی ہے۔ چھاتہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایسے مقاموں کے لئے چھاتہ حفظِ صحت کا خاص ذریعہ ہے۔ اگر کوئی صاحب یہہ فرمائیں کہ سر پہ چادر رکھ لینے سے بھی یہہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ قانونِ حفظانِ صحت کے خلاف عمل ہے۔

عادی ہو جانا اور بات ہے۔

جوتہ پہننا نہایت ضروری چیز ہے

رہا جوتہ اِس کی ہر جگہ اور ہر وقت اشد ضرورت ہے۔ زہریلے کیڑے مکوڑے۔ ناپاکی نجاست کانٹا کھونٹا۔ کنکر پتھر۔ سردی۔ گرمی۔ کیچڑ و نیز بخارات ارضی ناقصہ وبائیہ سے محفوظ رہنے کے لئے انسان نے جامۂ تہذیب پہن کر یہ پوشش ایجاد و اختیار کی تھی۔ جس کو آج سوامی جی کا انتخابی قانون مخصوص اُن لوگوں سے (جو علوم حاصل کر کے دوسروں کو تہذیب سکھاتے) چھڑانے اور مٹانے کے لئے تیار ہے۔ ایسی صورت میں دیگر ممالک کے مہذب پارٹی کے لوگ ایسی ننگی دھڑنگی قوم کو جس کو آج تک سر و پا کی خبر نہ ہو وحشی یا نیم وحشی کے لقب سے یاد کریں تو کچھ بیجا نہیں اور اس طعنہ سے ہندوستانی آریہ ورتیوں کو بھی برا نہ ماننا چاہیے

اُلفت و خوف کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا

اُلفت و خوف سے معلوم نہیں کس قسم کی الفت و خوف مراد ہے۔ اگر الفت حقیقی سے (جو ایک بندہ کو اپنے خالق سے ہونا چاہیے) غرض ہے یا انسیت عارضی جذبہ (جو ہر ذی روح میں فطرتاً پائی جاتی) مراد ہے تو یہ اُلفت سوامی جی کو برہمچرج کی نذر کرنا چاہیے۔ اور کون شخص گوارا کر سکتا ہے۔ کہ اُس اُلفت کو جو قدرت نے ہر طبیعت میں فطرتاً ودیعت کی ہے۔ چھوڑ دے۔ اور خوف حقیقی (جو ایک عبد کو اپنے معبود سے ہونا چاہیے۔ جس سے تمام اعلیٰ صفات اخلاقی پیدا اور قائم ہوتے ہیں) کہ قانون شرع سے ہر پابند شرع کو ہوتا ہے۔ یا خوف عارضی (جیسا کہ زبردست سے زیر دست کو یا کمزور کو قانون شاہی سے رعایا کو ہوتا ہے) ایسے خوف سے بھی بچا رہنا منظور ہے تو کیونکر بچا رہ سکتا ہے۔ کیونکہ اِس کے نظامِ عالم ہی قائم نہیں رہ سکتا نہ منشار خلاق عالم پورا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بلا خوف یا محبت کے کوئی کام پورا نہیں ہو سکتا۔

ہمدردی اخلاقی صفت ہے

شاید سوامی جی نے کتب تہذیب و اخلاق کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ ورنہ غم و غصہ کی کیفیت معلوم ہو جاتی۔ انسان کو اپنے تو اپنے دوسروں کے غم سے بھی متاثر ہونا چاہیئے۔ اسی کے معنی ہمدردی ہیں یعنی شریک غم ہونا۔ ہمدردی بھی صفاتِ اخلاقی میں عمدہ صفت ہے۔ خود سوامی جی صفحہ ۵۵ فقرہ نمبر ۲۶ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ انسان کو چاہیئے کہ ہر ایک کے رنج و راحت نفع و نقصان کو اپنا رنج و راحت اور نفع نقصان سمجھے اس کے برعکس برتاؤ انسانیت سے بعید ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب بنی نوع کی اس قدر ہمدردی ہوگی۔ تو اعزہ اقربا کی کتنی ہمدردی ہونی چاہیئے۔ یہہ ممکن ہے کہ کوئی عزیز غمگین ہو اور اس کے اثر سے انسان متاثر نہ ہو اور جب اقربا غم سے غمگین ہو جاتا ہے۔ تو اپنے اوپر جو بیتے گی یا کوئی غم کا پہاڑ ٹوٹے گا۔ اس سے کیونکر پیدا نہ ہوگا۔ کیا فطرتی قواعد کو کوئی روک سکتا ہے۔

غصہ کے وقت غصہ اور رحم کے وقت رحم چاہیئے

غصہ کے وقت غصہ اور رحم کے وقت رحم کرنا اخلاقی فرائض میں داخل ہے۔ مگر میانہ روی کے ساتھ بقولیکہ

نہ حلوا بن کہ چٹ کر جائیں بھوکے
نہ کڑوا بن کہ جو چکھے سو تھوکے

بیشک اعتدال پسندی عجب چیز ہے۔ اسی سے آدمی انسان بنتا ہے۔ ورنہ گدھا ہے بیکا بھیجہ ٹوٹے یا رہے۔ ہمیں تو حق گوئی سے کام ہے۔ شعر از مصنف

بُرا ہو یا بھلا ہو شمس اپنا تو یہہ شیوہ ہے ؛ جو منہ پر بات آتی ہے وہ بیباکانہ کہتے ہیں

گانے بجانے ناچنے کے متعلق صفحہ ۶۳ سطر الغایت ۵ میں سوامی جی صاحب عام اجازت فرماتے ہیں یہہ بھی پرانا منو جی کا ڈھرا ہے۔ یہہ اوستاد کی تعلیم کو کیونکر بھول جاتے

ممانعت نجواز کا اجتماع نیائے شاستر میں درج تھا۔

راستی اور ویدُ

عبارت متن صفحہ ۴ سطر ۲۵ و صفحہ ۴۸ سطر الغایت ۱۱ از باب سوئم

گرو اپنے شاگردوں لڑکوں لڑکیوں کو اس طرح اپدیش کرے۔ کہ تو ہمیشہ سچ بول۔ دھرم کے مطابق چل۔ غفلت کو چھوڑ کر پڑھ اور پڑھا۔ پورے برہمچرج سے کل علوم سیکھ۔ گرو کی خدمت میں عمدہ نذرانہ پیش کر۔ اور شادی کر کے اولاد پیدا کر۔ غفلت سے بھی ہرگز سچ کو نہ چھوڑ۔ غفلت سے دھرم کا تیاگ مت کر۔ غفلت سے صحت اور چترائی کو مت کھو۔ غفلت سے پڑھنے پڑھانے کو کبھی ترک نہ کر۔ دیوتا۔ فاضل اور ماں باپ وغیرہ کی خدمت سے ہرگز غافل نہ ہو۔ عالم کی بھی ویسی ہی خدمت کر جیسے باپ اچارج اور اتتھی (یعنی مہمان کی) دھرم کے اوامر۔ مثلاً سچ بولنا وغیرہ عمل میں لا۔ اور جھوٹ وغیرہ نواہی سے بچ۔ جو کام ہمارے دھرم کے مطابق ہوں۔ اُن کو اختیار کر اور بُرے کاموں کے پاس بھی نہ جا۔ باعمل علامہ برہمن کی خدمت میں رہ اور اُن پر اعتقاد رکھ دان دینا ہر حال میں اچھا ہے۔ خواہ شردھا ہو یا نہ خواہ اُس سے دنیا کی شان و شوکت کی نمود ہو خواہ حیا و خوف یا ایفائے وعدہ کا خیال جب کبھی تجھے کرم (فعل) یا شیل (برتاؤ) اور اُپاسنا (پرستش) گیان کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو کسی بیدار مغز بے لگاؤ یوگی اور اگر یوگی نہ ملے تو نرم مزاج دھرم کے متمنی دھرماتما کی (پیروی کر یعنی) جس طرح وہ دھرم کے راستہ پر چلیں تو بھی اسی طرح چل یہی حکم ہے۔ اور یہی فہمائش یہی ہدایت ہے یہی ویدک اپنشد اور یہی اُس کی تعلیم (اسی طرح عمل کرنا اور اپنا چال چلن

سُدھارنا چاہیئے) (تیتریہ اپنشد پر پاٹھک، انوواک ۱۱)

جواب - سچ بولنا اور دھرم پر چلنا سوامی جی کے نزدیک صرف وید جیسی بیڈھنگی کتاب کا تتبع ہی جس میں کوئی عمل اعمال صالحہ میں سے نہیں پایا جاتا۔ غفلت کو چھوڑ کر پڑھنے پڑھانے کا سوامی جی کے وید نے علاوہ بار بار ذکر کرنے کے ان چند فقرات میں دو مرتبہ اعادہ فرمایا ہی۔ جو خلاف فصاحت ہے پورے برہمچرج سے کل علوم ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے کیونکہ اُس میں صحت ہی قائم نہیں رہ سکتی۔ حالانکہ سوامی جی نے کوئی درجہ برہمچرج کا باقی نہ چھوڑا تھا۔ مگر پھر بھی علم طب وغیرہ وتہذیب واخلاق سے قطعی ناواقف نہ تھے۔ گرو کی خدمت میں عمدہ نذرانہ پیش کرانا عجیب بات ہے۔ کیوں کہ قبل ازیں حکم دیا جاچکا ہی۔ کہ ہر لڑکا لڑکی گروکل میں داخل ہونے کے بعد والدین سے کسی قسم کا تعلق ہی نہ رکھیں۔ اور نہ لڑکا لڑکی حالتِ تعلیم میں کوئی دوسرا کام کریں ایسی حالت میں کوئی طالب علم کیا نذرانہ پیش کر سکتا ہی۔

وید کے متناقضہ احکام

وید کے کچھ عجیب حکم ہیں۔ جن کو اپنے پس وپیش کی بھی خبر نہیں۔ مسائل نقیضیہ کا مجموعہ (جس کا وجود منطقی دنیا میں ناممکنات میں داخل ہی) یہی وید مقدس ہی جس پر سوامی جی کا بڑا یقین اور اعتماد ہی۔ مگر کوئی صاحب عقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ ۴۸ سال برہمچاری رہنے کے بعد اول تو انسان اولاد پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اگر کوئی مری گری اولاد پیدا بھی ہوگئی تو وہ پیروں چلنے کے لایق کب رہ سکتی ہی۔

سچ کو نہ چھوڑنا واقعی نیک ہدایت ہے۔ مگر دھرم کا تیاگ نہ کرنے کے متعلق ہم اس لئے خلاف ہیں کہ سوامی جی کا دھرم فی الحقیقت دھرم نہیں بلکہ ادھرم ہے۔ اس لئے ایسے دھرم سے جس میں گمراہی کے سوا کچھ نہ ہو باز رہنا بہت اچھا ہی۔ جو دھرم نیچر کے خلاف ہو وہ دھرم نہیں ہو سکتا۔

غفلت سے صحت اور جترائی کو نہ کھونے کی نسبت ہم یہہ کہتے ہیں۔ کہ کیا برہمچرج سے صحت قایم رہ سکتی ہے؟ یا ہوم کرنے سے تندرستی باقی رہتی ہی؟ ایسے ہی اور تمام احکام وید جن کو سوامی جی نے بار بار دوہرایا ہی۔ وہ کچھ خلاف عقل ہی نہیں۔ بلکہ اصول حفظان صحت کے بھی بالکل برعکس ہیں۔

مکرر سہ کرر غفلت سے پڑھنے پڑھانے کے ترک نہ کرنے کا ذکر کیا جاتا ہی۔ جس کا سننا بار بار گران معلوم ہوتا ہی۔ خلاف فصاحت بھی ہی۔ ایسی ہدایتوں میں زیادہ تکرار کی ضرورت نہیں۔ دیوتا۔ ماں باپ۔ فاضل۔ عالم۔ مہمان۔ اُستاد وغیرہ کی خدمت ضرور طلباء کی سعادت مندی کا نشان ہی۔ مگر ایسے عالم فاضل کی خدمت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جنمیں جہالت اور تعصب کے سوائے کچھ نہ ہو۔

دہرم کا کوڑا سوامی جی کے ایسا ہاتھ آیا ہی۔ کہ جس سے اُن کے مقلدین کو گریز کا موقع ملنا امر محال ہی۔ اوس پر تکرار کا طرہ اور غضب ہی۔ جب اصول میں سچ بولنے اور جھوٹ کو ترک کرنے کے واسطے کہا جا چکا ہی تو پھر کیا نتیجہ۔

وید کا قانون زکواۃ

دان یا زکواۃ ہم معنی لفظ ہیں جس کو دیگر مذاہب نے بھی جاری رکھا ہی۔ مگر وید کی طرح جواز زکواۃ نہیں ہی۔ اسلام میں وہ زکواۃ جو محض نمود شان و شوکت دنیاوی کی بنا پر ہو نہایت بے سود بلکہ گناہ ہے۔ جو مروت کی وجہ سے زکواۃ ہو وہ بھی گو نہ دنیاسازی میں شامل ہی خوف کی وجہ سے کوئی حلال۔ دان نہیں ہوتا۔ بلکہ چوٹر لگے چھٹے خیرات لگی بٹنے کا مضمون بالکل اسی موقع پر صادق آتا ہی۔ ایفائے وعدہ یا وفائے عہد ہرگز ہرگز دان نہیں ہو سکتا۔

اسلامی قانون زکوٰۃ

سماجی صاحبان غور کریں کہ تعلیم وید اور احکام الٰہی میں کس قدر فرق ہی۔ بیچاری وید

ایک طریقۂ زکواۃ کو بھی پورے طور پر نہ بتا سکی۔ اس کے مقابل میں چند قواعد ادائے زکواۃ کے ہم مذہب اسلام سے بیان کرتے ہیں۔ سُنئے قانونِ اسلام میں ادائے زکواۃ کی تعداد اور مقدار معین ہی۔ مثلاً ہر چالیس روپیہ پر ایک روپیہ یا غلہ وغیرہ میں سے ایک مقدار مقررہ ادا کی جائے (جس کو نہ لیتا بھولے نہ دیتا) مگر کس کو دیجائے۔ اُس شخص کو کہ جو واقعی صاحب احتیاج اور مستحق ہو زکواۃ لینے کا۔ کس طرح دیجائے۔ اس طرح کہ سوائے اپنی ذات کے کسی دوسرے شخص پر (خواہ وہ رازدار ہی کیوں نہو) یہہ راز نہ کھلے۔ تاکہ وہ شخص جس کو زکواۃ دیگئی ہی کسی وقت دوسرے شخصوں کی نگاہوں میں شرمندہ اور خفیف نہ ہو۔ کس وقت دیجائے۔ جب وہ جنس جس میں سے زکواۃ نکالنا واجب ہی۔ اپنی مقدار میں پوری ہو جائے فوراً زکواۃ ادا کر دی جائے۔ اس کا نام ہے زکواۃ اور حقیقی دان خدا کا بتلایا ہوا یہہ ہے۔ اخوتِ اسلامی اور ہمدردی کا سچا نمونہ غور فرمایئے۔ تعلیم قرآن اور تعلیم وید میں کتنا فرق ہی۔ کہاں شان وشوکت دنیا سازی خوف۔ کہاں ہمدردی نوع انسان۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ کیا اب بھی آریہ صاحبان سچے اصولوں کو نہ مانیں گے۔

تقلید سے تحقیق بہتر ہی

اگر کسی شخص کو کسی فعل یا برتاوے یا عبادت میں کوئی شک وشبہ پیدا ہو جائے تو اُس کے لئے بہترین حکم تو یہہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ اُس میں اجتہادی طور پر تحقیق کرے نہ کہ صرف حکم وید کے مطابق (جس کا یقین سوامی جی کو ثابت ہو چکا ہی) کسی یوگی (جوگی) یا دھرماتما کی جو وید کا عامل ہو پیروی کرنا کتنی خلاف عقل بات ہے۔ کیونکہ جس کتاب میں سچے دھرم کا طریقہ ہی نہ بتلایا گیا ہو۔ اُس میں ادھرم ہی ادھرم ہے۔ اُس پر عمل کر کے اپنے آپ کو ادھرمی بنا لینا ہے علاوہ ازیں سوامی جی مہاراج یا اُن کے چیلے ہمیں یہہ بتائیں۔ کہ وہ مذہب کونسا ہی۔ جس نے اخلاق ومعاملات ذمیمہ کو اپنے طرز معاشرت میں جائز رکھا ہو۔ اُنہیں ادھرم میں سے یہہ امورات

ہیں جو مذاہب عالم میں جاری ہیں اور اُنہیں منہیات میں سے مناہی۔ البتہ اتنا فرق ہی۔ کہ اسلام میں سچ بولنا وغیرہ اوصاف اخلاقی میں داخل ہی۔ اور سوامی جی کے خیال میں اصل مذہب اور سچ بھی کیسا جو وید کے مطابق ہو خواہ وہ جھوٹ ہی کیوں نہو۔ افسوس سوامی جی کو یہہ بات معلوم نہ تھی۔ کہ طرز معاشرت انسان کو اوصاف اخلاقی خود سکھا لیتی ہی۔ خدا نے بھی ضرور نیکیاں اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہی۔ مگر اصولاً داخل مذہب نہیں کیا۔

سمرتی کے احکام پر چلنے کی ہدایت اور اُسکی تردید

عبارت متن صفحہ ۸۰ سطر ۲۱ لغایت ۲۵ از باب سویم

کہنے کہلانے سُننے سُنانے پڑہنے پڑہانے کا یہی فائدہ ہی۔ کہ لوگ وید اور وید کے مطابق سُمرتی کے فرمانوں پر چلیں یہی عین دہرم ہے۔

جواب۔ تعجب ہے کہ سُمرتی کو مانتے بھی ہیں اور غلط بھی سمجھتے ہیں۔ سوامی جی کے کس قول کو صحیح سمجھنا چاہیئے۔ صرف اپنے مطلب کی بات کو مان لینا کیا مزے کی بات ہے۔ ہم یہہ پوچھتے ہیں کہ اگر وید میں غلط اصُول اور خلاف منشائے فطرت قواعد درج ہوں تو کیا اُن پر عمل کرنا عین دہرم ہو سکتا ہی۔ یا خلاف وید سچے قواعد پر عمل کرنے سے دہرم ضائع ہو جاتا ہی۔ رہی سمرتی کے فرمان سو جب وید جیسی کتاب راہ مستقیم نہیں دکہا سکتی تو بیچاری سُمرتی کیا اظہار حق کر سکتی ہی۔ بقول شخصے "کیا پدی کیا پدی کا شوربا"

وید، سمرتی اور سوامی جی کی کج خلقی کا نمونہ

عبارت متن صفحہ ۸۰ سطر ۲۸ صفحہ ۸۹ سطر ۱ و ۲ از باب سویم

جو وید اور وید کے مطابق (آپت) راست باز اشخاص کی تصانیف (شاستر) کی بیقدری کرتا ہی۔ وہ وید کی بے ادبی کرتا ہی۔ اور ایسے ناستک (منکر) کو قوم

ذات اور ملک سے باہر کر دینا چاہیئے ۔ منو ادہیائے ۲ شلوک ۱۱)

جواب ۔ یہہ ہی وید سمرتی ۔ سوامی جی کی راست بازی ۔ اخلاق ۔ تمدن ۔ معاشرت ۔ سبھاؤ قوم اور ذات سے سوامی جی کو کیا ہر شخص کو علیحدہ ہو جانے اور کر دینے کا اختیار ہے ۔ مگر ملک کی ملکیت سے سوامی جی کو کیا تعلق اور منو جی کو کیا نسبت ۔ اور وہ نکال دینے والے کون ہوتے ہیں جو خود بھی کسی دوسرے ملک سے ترک سکونت کر کے آ بسے ہوں ۔ جس کے سوامی جی خود اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش بیان پورانک باب یازدہم میں مقر ہیں ۔ اور فرماتے ہیں کہ قوم آریہ یہاں آکر آباد ہوئی

آریہ قوم کا ہندوستان میں آکر آباد ہونا

کسی معتبر اور مستند کتاب میں الفاظ کی کمی بیشی کرنے والا کبھی امین صادق نہیں ہو سکتا ۔ کیا غضب ہے کہ اصل منو سمرتی میں ملک کا نام بھی نہیں ہاں صرف منڈلی کا ذکر ہے ۔ چنانچہ منو سمرتی مطبع منشی نول کشور کانپور ۔ ادہیائے ۲ شلوک ۱۱ ۔ جو شخص وید کے احکام کو بذریعہ علم منطق غلط سمجھ کر وید اور شاستر کی توہین کرتا ہی وہ ناستک یعنی منکر ہے ۔ اُس کو سادہ لوگ اپنی منڈلی سی باہر کر دیں ۔ سوامی جی نے باوجود عالم اور بانی مذہب ہونے کے لفظ ملک کا اضافہ فرما کر اپنے آپ کو غیر متدین بنا لیا یہاں تک کہ تصدیق منطقی کا ذکر بالکل ہی ہضم کر گئے اور ہمیشہ کے واسطے خیانت کا دھبہ اپنے ذمہ رکھہ گئے ۔ ایرین قوم کی آمد کا واقعہ یہہ ہی ۔ کہ جب زردشتیہ آتش پرستی کے عقائد کو ایران کے کچھ لوگوں نے بگاڑنا چاہا ۔ تو آتش پرستوں نے اُن لوگوں کو اٹک پار ہی نہیں بلکہ مارتے بھگاتے گنگا مائی کے کنارے میں دھکیل دیا ۔ اس ایرین قوم کو علاوہ آفتاب و آتش پرستی کے اعتقادات کو ماننے کے عجائبات ہندوستان کے آگے بھی سر جہالت خم کر کے معبود بنانا پڑا ۔ جس کا ثبوت یہہ ہی کافی ہی ۔ کہ آج تک ایسے دیوتاؤں اور معبودوں کی پرستش قوم ہنود میں رائج ہی ۔ آریہ قوم کسی قوم کو ملک سے کیونکر نکال سکتی ہی ۔ جب کہ وہ خود ایک بادشاہ کی رعایا میں داخل ہی ۔

تمدن پر ایک نظر

اب ہم صرف لفظ تمدن پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ تمدن کا مادّہ مُدن ہی۔ جس کے معنی بستی کے ہوتے ہیں۔ اس کے قواعد میں داخل ہی۔ کہ بہت سے انسان ایک جگہ بستی بسا کر رہیں مگر ایسے مبارک قانون کو سوامی جی کی مذہبی کتاب مٹائے ڈالتی ہی۔ کیا یہہ قانون قدرت کے خلاف نہیں؟ ہر شخص جو تعصب سے پاک اور صاحب فہم ہو وہ یہہ کہہ سکتا ہی۔ کہ ایسے احکام ضرور قواعد فطرت واخلاق سے بعید ہیں۔ اس حسن اخلاق پر سچائی کا دعویٰ ہے۔ اس نیکی اور ہمدردی پر غیروں کی بہتری اور بہبودی کا خیال فی الاصل ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور

(اشعار از مصنف)

گاہی نگاوٹیں ہیں گہے اجتناب ہے ٭ ظاہر تو کچھہ درست ہی باطن خراب ہی
کرتے ہیں ملک و دیس سے خارج انہیں سماج ٭ غیروں پہ کس غضب کا الٰہی عتاب ہی

غیر اقوام کے لئے اسلامی قاعدے

اس کے مقابل میں طریق اسلام کو اگر دیکھا جاتا ہی۔ تو صاف معلوم ہوتا ہی۔ کہ قانون الٰہی اور انسانی من گھڑت میں بڑا فرق ہی۔ اسلام میں کوئی حکم ایسا نہیں پایا جاتا کہ کسی بندۂ خدا کو خواہ وہ گمراہ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ پادشاہان اسلام نے کسی شخص کو مذہبی بناء پر خواہ وہ کافر ہی کیوں نہو کبھی ممالک مفتوحہ سے بھی نہیں نکالا۔ بلکہ اُس کی حفاظت بلحاظ بندۂ خدا ابنائے جنس ہونے کے اپنے ذمہ لی جس کی اجرت آج تک جزیہ کے نام سے مشہور ہے۔ جو کفار سے وصول کیا جاتا تھا۔

سماجی صاحبان کو معلوم ہو کہ ایرین قوم کے ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد ترکستان سے جاٹ قوم اور یونانی اقوام اور مسلمان درہ خیبر کے راستہ سے اور ڈرچ۔ فرانسیس

انگلش یوروپین اقوام سمندر کی راہ سے بار بار ہندوستان میں داخل ہوتی رہیں۔ اُن کی تو باخبر آریہ قوم کچھہ روک تھام کر ہی نہ سکی۔ نکالنا چہ معنی داد انہیں اقوام کی خود رعیت بن بیٹھی۔

وید اور منوسمرتی کی تنقید اور سچے جھوٹے احکام

عبارت متن صفحہ ۹۴ سطر ۵ لغایت ۱۰ — از باب سویم

دہرم کے چار معیار ہیں اور انہیں سے دہرم اور ادہرم میں تمیز ہوتی ہے یعنی وید۔ سمرتی یعنی وید کے مطابق راست باز آدمیوں کی تصنیف منوسمرتی وغیرہ شاستر نیک آدمیوں کا چلن۔ جسے آتما پسند کرے۔ مثلاً راست گوئی طرفداری سے پاک ہونے انصاف اور راستی اختیار کرنے ہمیشہ جھوٹ سے بچے رہنے کا نام دہرم ہے۔ اور اس کے خلاف طرفداری کرنے بے انصاف ہونے سچ کو چھوڑنے اور جھوٹ بولنے کا نام ادہرم ہے۔

جواب ۔ منوسمرتی کی نسبت تو خود سوامی جی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اس میں اکثر احکام غلط درج ہیں مگر منوجی کا سکہ بعض جگہ صحیح ہونا بھی منوا لیتا ہے اور بھولے بھالے سیدھے سادے سوامی جی کہیں صحیح اور سچ کہہ جاتے ہیں۔ کہیں جھوٹ اور غلط وید کے احکام بھی ایسے ہی ہیں جو منطقی کسوٹی پر کھرے نہیں اترتے جس کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ اور خود منوجی کو تسلیم ہے۔ پھر ایسی کتابوں پر عمل کرنا کس طرح ایمانداری اور سچے دہرم کے راستہ پر چلا سکتا ہے ہاں اگر سوامی جی یہ کہتے کہ وید اور سمرتی میں سے کچھ جملے انتخاب کرکے عمل کرے تو ایک حد تک قابل قبول تھا۔ جیسا کہ انہوں نے خود انتخاب کیا ہے۔ مگر غضب یہ ہے۔ کہ اس انتخاب میں بھی قریب قریب جملہ احکام خلاف عقل و قانون قدرت ہی واقع ہوئے ہیں ۔ اسی وید مقدس کے اگر مسئلہ نیوگ پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تو دامن عصمت چاک چاک ہو کر دھجیاں بھی باقی نہیں رہتیں۔ ایسے ہی اور مسائل بھی ہیں۔ جو حسب موقع تحریر ہوں گے۔ اگر

سوامی جی کا ایسا ہی دہرم ہے تو اس دہرم سے ادہرم ہی اچھا ہی۔

جہل و علم میں عقل کا فیصلہ ناطق اور وید کا غلط

عبارت متن صفحہ ۹۴ سطر ۱۴ ازباب سویم

دہرم اور ادہرم کا نشچہ کسیطرح بغیر وید کے نہیں ہوتا۔ (منو ادہیائے ۲ شلوک ۱۲)

جواب۔ منوجی کا من گھڑت کلیہ کہ دہرم ادہرم کا فیصلہ بغیر وید کے نہیں ہوتا بالکل غلط ہی کیونکہ جب جہل و علم کا مقابلہ ہوتا ہی۔ تو سچ اور جھوٹ میں عقل فیصلہ کرتی ہی۔ نہ کہ وید جیسی کتاب جس میں امورات عقلی کو دخل ہی نہیں معلوم ہوتا ہی۔ کہ وید کے گھڑنے والوں کا چہار شنبہ ہی ندارد تھا۔ کیا ایسی کتاب جس میں اکثر احکام عقل۔ معاشرت۔ تمدن اور قانون اخلاق کے خلاف پائے جاتے ہوں۔ وہ دہرم اور ادہرم کے طریقہ کو صحیح معیار پہ قائم کر سکتی ہی۔ سوامی جی کی سمجھ پر غور فرمایئے۔ کہ وہ بلا دلیل اس منوجی کے کلیہ کو مانتے اور سماجی صاحبان سے منواتے ہیں۔ افسوس ہی ایسی عقل پر۔ کس قدر مبارک ہے وہ عقل اور وہ صاحب عقل جو خود اندھیرے غار میں گرتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خلق خدا کو گمراہ کر کے اوسی غار میں ڈھکیلنا چاہتا ہی۔ شعر گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا ؛ کار طفلاں تمام خواہد شد

مثلاً ناچنے گانے کی تردید

مثلاً ناچنا گانا ایک علم ہی۔ اور اس کا نہ جاننا جہل ہی۔ جہل و علم کا مقابلہ ہی۔ وید فیصلہ کرتی ہی۔ کہ ناچنا اور گانا لازم ہی۔ بلکہ باجہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ ہو تو بہتر ہے۔ اور چونکہ ناچنا گانا دنیا کی مہذب پارٹی کے نزدیک معیوب اور برا فعل ہی۔ اس لئے ہم عقل سے اس کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ عقل حکم دیتی ہی۔ کہ ہرگز ہرگز ناچنے گانے کے پاس نہ جانا بلکہ گانا ناچنا تو کیسا اس کا سننا اور دیکھنا بھی جائز نہ سمجھنا ورنہ پچھتاؤ گے۔ اور ہمیشہ کے لئے بداخلاقیوں، بدتہذیبیوں کا

ذخیرہ بن جاؤ گے۔ کیونکہ ذرا تاتا تھیا کی گت پر ناچنے کے لئے تم نے قدم بڑھایا اور مردانگی کا خاتمہ ہوا۔ آہے اوہی میں عمر کٹیگی ہمیشہ ناک پر اونگلی رہے گی۔ اس کے علاوہ ناچنا ایک حرکت ہی دلفریب اگر دلفریبی نہو تو گدھے کی چال کی برابر بھی قدر نہیں ہو سکتی۔ اور دلفریبی کے لئے معشوقانہ انداز کی ضرورت اور جب انداز آدمی کو کھٹلکنے لگتے ہیں۔ تو معشوق پر طبیعت بھی آجاتی ہے۔ جس کا نتیجہ صاحبانِ فہم خود سمجھ سکتے ہیں۔ ہم واہیات اور خلافِ تہذیب الفاظ درج کرکے اپنی کتاب کے نام پر سیاہی کا بدنما دھبہ لگانا نہیں چاہتے۔ رہا گانا۔ گانے سے روح نفسانی حظ حاصل کرتی ہے۔ اور اس قدر محظوظ و مسرور ہوتی ہے۔ کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس وقت انسان مبہوت اور بے اختیار ہو جاتا ہے اور روح نفسانی کی خواہشات میں بقدر احتظاظ ترقی ہوتی ہے۔ اور پھر وہ جا بیجا کسی نہ کسی طرح ان خواہشات کے پورا کرنے کے لئے انسان کو مجبور کرتی ہے۔ اور آدمی اس کا تتبع کرکے تعمیل ارشاد کرتا ہے۔ یہاں تک کہ حسن و عشق کے معاملات سے متاثر ہو کر بدچلنی۔ عیاشی۔ شراب خواری۔ مکاری وغیرہ وغیرہ اختیار کرتا ہے۔ اب فیصلہ وید اور فیصلہ عقل کے متعلق ہم چاہتے ہیں۔ کہ سماجی صاحبان ہی حکم لگائیں کہ کونسا اچھا ہے۔ اور کونسا برا۔ اور آیا وید کا فیصلہ اور حکم ناطق ہے یا عقل کا۔ صاحبانِ فہم غور فرمائیں۔ اور سام وید کی ہدایت پر عمل کریں۔ جو گانا ناچنا سکھاتی ہے۔

قانونِ قدرت پر بحث

عبارت متن صفحہ ۵۰۔ سطر ۵ و ۶ **از باب سویم**

جو کچھ قانونِ قدرت کے مطابق ہے وہ سچ اور جو اس کے برعکس ہے۔ وہ سب جھوٹ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے۔ کہ ماں باپ کے ملاپ کے بغیر لڑکا پیدا ہوا تو یہ خلاف قانونِ قدرت ہونے سے بالکل جھوٹ ہے۔

جواب ۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ سوامی جی نے قانونِ قدرت کو صحیح طور پہچانا یا نہیں۔ سب سے

اعلیٰ ذریعۂ تمیز انسانی مشاہدہ ہی۔ ازان بعد احساس حواس دیگر۔ مشاہدہ کی یہہ کیفیت ہی۔ کہ بڑی چیزوں کا تو کیا ذکر ایک دانہ خشخاش کو جو مقدار کے لحاظ سے بہت ہی چھوٹا ہی لے لیجئے۔ اور اُس دانہ پر دوسری جانب کبھی کالے پیلے رنگ کا نقطہ لگا کر انسان کے روبرو رکھدیجئے۔ پھر اُس سے پوچھئے کہ اِس دانہ کی دوسری جانب جو تیرے سامنے رکھا ہوا ہی کون سا رنگ ہی۔ تو مشاہدہ کرنے والا کچھ نہیں بتا سکتا۔ جب مشاہدہ اتنا عاجز و مجبور ہے کہ سامنے رکھی ہوئی اتنی چھوٹی چیز کو نہیں معلوم کر سکتا۔ تو وہ قانونِ قدرت ہی کو جو عقول انسانی سے بالاتر ہے کیا پہچان سکتا ہے۔ سماجی صاحبان بتلائیں کہ اِس واقفیت اور مشاہدات و محسوسات کے زعم پر سوامی جی کو قانونِ قدرت سے واقف ہو جانے کا دعویٰ کس حد تک صحیح ہو سکتا ہی۔

ماں باپ کے بغیر پیدائش کا ثبوت

رہا یہہ امر کہ ماں باپ کے ملاپ بغیر لڑکا پیدا ہونا خلافِ قانونِ قدرت ہونے سے بالکل جھوٹ ہی۔ سماجی صاحبان ہمیں یہہ بتائیں کہ سب سے پہلے دنیا میں جو پیدائش انسان ہوئی وہ کس طرح واقع ہوئی۔ لازم آتا ہی کہ سب سے پہلی پیدائش بلا ماں باپ کے ہوئی ہو اور ایسی پیدائش اس کلیہ کی رُو سے خلافِ قانونِ قدرت ہی۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہہ کہنا پڑے گا۔ کہ یہہ انسان جو موجود ہیں۔ خلافِ قانونِ قدرت ہونے سے بالکل جھوٹ ہیں۔ کیونکہ ان کے پہلے ماں باپ کا ملاپ تو ملاپ ماں باپ ہی نہیں پائے جاتے۔ حالانکہ اِس سے کوئی فردِ بشر انکار نہیں کر سکتا کہ سب سے پہلی پیدائش انسان کی بلا ماں باپ کے واقع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہہ بھی قانونِ قدرت ہے۔ اور قانونِ قدرت کبھی مٹنے والا نہیں ہوتا۔ خواہ اُس پر عملدرآمد ہو یا نہ ہو۔ اگر وہ قادرِ مطلق اور خالقِ کل چاہے تو اب یا آئندہ بھی اُسیطرح پیدا کر سکتا ہی۔ جس طرح پہلے پیدا کیا تھا اُس کی قدرت کے لیئے نہ ملاپ کی ضرورت۔ نہ ماں باپ کی حاجت۔ ہم انصاف پسند آریہ صاحبان سے اُمید کرتے ہیں۔ کہ وہ مسائل متذکرہ بالا پر بعجے قانونِ قدرت غور فرماکر دید مقد

اور ستیارتھ پرکاش کے اُلٹ پھیر سے انحراف و احتراز کریں گے اور سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ہی سمجھیں گے

پرتیکش یعنی علم الیقین کی حقیقت پر مدلل بحث

عبارت متن صفحہ ۵۰ سطر ۸ الغایت ۲۰ از باب سویم

نیائے شاستر ادھیائے پہلا آہنک اول سوتر ۴ - کان - جلد - آنکھ - زبان اور ناک یعنی حواس خمسہ کے آواز لمس شکل - ذائقہ اور بو کے ساتھ بیروک تعلق سے جو علم دل اور دل سے روح کو بلا شک حاصل ہوتا ہے. اُس کو پرتیکش کہتے ہیں.

جواب - پرتیکش کے معنی ہماری زبان میں سوامی جی کے خیال کے موافق علم الیقین کے ہو سکتے ہیں. معلوم نہیں سوامی جی نے دل اور روح کو کیا سمجھا ہے - اور علم الیقین کو کتنا وسیع جانا ہے جس کی بنیاد اتنی کمزور ہے. کہ جو قابلِ وثوق ہو ہی نہیں سکتی. مثلاً یہ یقین کر لینا کہ بلا ماں باپ کے لڑکا نہیں ہو سکتا یا بغیر نر و مادہ کے کوئی ذی روح پیدا نہیں ہوتا یا بلا تخم کے کوئی درخت نہیں اُگتا. حالانکہ بلا تخم کے ہزاروں قسم کے گھاس پھونس درخت ہشم وغیرہ پیدا ہوتے ہیں. بغیر نر و مادہ کے سینکڑوں قسم کے جاندار پیدا ہوتے ہیں. چنانچہ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں عموماً شروع موسم برسات میں. غرض سوامی جی کا پرتیکش غلط ہی غلط ہے. حواس خمسہ ظاہری کے احساس و ادراک سے جو علم حاصل ہوتا ہے - وہ دل کو نہیں ہوتا - بلکہ حواس خمسہ باطنی کو ہوتا ہے. جس کی تفصیلی صورت یہ ہے.

جملہ علوم حواس خمسہ باطنی کو حاصل ہوتے ہیں

حواس خمسہ ظاہری جس چیز کو محسوس کرتے ہیں. اُس کو حس مشترک جو حواس خمسہ باطنی کی پہلی قوت ہے محسوس کر کے قوت متخیلہ کے سپرد کر دیتی ہے. قوت متخیلہ اپنے خیالی گھوڑے دوڑا

کر متصرفہ یا مصورہ کو سونپتی ہی۔ مصورہ اُس ہیئت کی تصویر قوت واہمہ کے سامنے رکھدیتی ہے جس کی عمدگی یا نقص کی تصدیق و تکذیب کر کے علم الیقین کے درجہ پر پہونچا دینا اسی چوتھی قوت واہمہ کا کام ہی۔ پانچویں قوت حافظہ ہی۔ جس کا کام صرف صور محسوسہ کو یاد رکھنا ہی۔

دل کی قوتیں اور اُن کی تشریح

دل سے کسی علم یا لمس وغیرہ کا تعلق ہرگز نہیں ہوتا۔ اسی طرح کان۔ ناک۔ زبان اور جلد کے محسوسات نافعہ وضارہ کی تصدیق و تکذیب بھی یہی قوت واہمہ کرتی ہی۔ البتہ دل خوشی و غم اور غضب سے متاثر ہوتا ہی۔ بیرونی تعلق سے دل یا روح کو کوئی علم یا لمس نہیں ہوتا۔ چونکہ دماغ منبع اعصاب ہی اور حرکت قلب میں اعصاب کو کامل دخل ہی۔ یعنی بلا اعصاب کے حرکت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ہر معاملہ کی تصدیق پر اعصاب میں حرکت انبساطی یا انقباضی پیدا ہوتی ہی۔ جس سے دل منبسط یا منقبض ہوتا ہی۔ ان دونوں حرکتوں سے اگر گرم روح خارج ہوتی ہی تو اس کیفیت کو خوشی کہتے ہیں۔ اور جو روح گرم ہوکر بوجہ انقباض بند رہتی ہی۔ تو اس کیفیت کو غم کہتے ہیں۔ عرف عام میں ان ہی کیفیات کا نام تصدیق یا تکذیب بالقلب ہی۔

صحیح علم الیقین کی جانچ پڑتال

صحیح علم الیقین وہی ہوتا ہی۔ جو تمام کسوٹیوں پر کھرا اُترتا چلا جائے۔ حواس خمسہ ظاہری باطنی آئین قدرت۔ طرز فطرت۔ فلسفہ۔ منطق۔ معقولات۔ منقولات غرض جتنے پرکھنے والے علوم ہیں سب ہی تصدیق کردیں۔ اگر کسی ایک جگہ بھی روڑا اٹک جائے تو وہ کھوٹا اور اُس کا موید جھوٹا۔ انصاف اور حق بار بار تاکید کرتا ہی۔ کہ مقلدان وید کو حق الیقین اور سچائی کی جانب توجہ دلاکر اُس علم الیقین کو بدل دیا جائے۔ جو اُن کے ناقص ذہنوں میں اپنی جگہ قائم کرچکا ہے

قانونِ فطرت اور سوامی جی

عبارت متن صفحہ ۵۲ سطر ۱۲ لغایۃ ۱۵

از باب سویم

تصرف کرنے والی
تصویر کھینچنے والی
شکل
وید کی قوت
سچائی
جھوٹا آدمی
جاننا سمجھنا
صورتیں
جھوٹا
مفید
مضر
اعصاب کی
بدلنے کی جگہ
ٹھیک

کھلنے کی حرکت ۔ کھلنا ۱۲

ساتواں ارتھاپتی کوئی کہے۔ کہ ماں باپ کے بغیر اولاد پیدا ہوئی کسی نے مردے زندہ کئے پہاڑ اٹھائے۔ سمندر میں پتھر تیرائے۔ چاند کے ٹکڑے کئے۔ پرمیشور کا اوتار۔ آدمی کے سینگ دیکھے اور بانجھ کے لڑکا اور لڑکی کی شادی کی وغیرہ وغیرہ یہہ سب باتیں اسم بھو (ناممکن) ہیں۔ کیونکہ یہہ سب باتیں قانون قدرت کے خلاف ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو بات قانون قدرت کے مطابق ہو وہی سمبھو (ممکن) ہے۔

جواب۔ سب سے پہلے ہمیں یہہ دیکھنا ہے کہ آیا سوامی جی نے قانون قدرت کو سمجھا بھی یا نہیں۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ قانون قدرت تو بڑی چیز ہے۔ سوامی جی نے لفظ قانون کو بھی نہیں سمجھا قدرت کو تو کیا سمجھتے اس کا مفصل جواب تو ہم ساتویں باب میں تحریر کریں گے۔ یہاں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ آیا خلاف وضع فطرت (جو ہمارا ذہنی معیار ہے) کوئی کام ہوتا ہے یا نہیں۔

قانون فطرت پر بحث اور ایک مدلل فلسفی مثال

اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خلاف قانون فطرت کوئی کام نہیں ہوتا۔ مگر دیکھنا یہہ ہے کہ بلا ماں باپ کے اولاد کا پیدا۔ یا مردہ کا زندہ۔ یا چاند کا ٹکڑے ہو جانا وغیرہ خلاف قانون قدرت ہیں یا نہیں۔ ہماری رائے میں خلاف قانون قدرت تو نہیں ہیں البتہ عقول انسانی سے بالاتر ہیں اور حال یہہ ہے۔ کہ جو چیز عقل انسانی سے بالاتر ہے اسکو وہ خلاف قانون قدرت سمجھ لیتا ہے۔ جو انسان کے نقص فہم کی دلیل ہے۔ قانون فطرت کے متعلق ہم ایک آسان بحث لکھتے ہیں تاکہ عام لوگ بھی سمجھ سکیں۔

دنیا عالم امکان ہے

دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے۔ یہہ عالم امکان کہلاتا ہے۔ یعنی سب کچھ ممکن ہے۔ اور ممکن کے یہہ معنی

ہیں کہ اُس کا ہونا بھی ضرور نہیں اور نہ ہونا بھی۔ البتہ ہو سکتا ہی۔ اور جس کا ہونا ضرور ہے وہ (واجب الوجود ذات الٰہی) اِس عالمِ امکان سے باہر ہے۔ اور جس کا نہ ہونا ضرور ہے۔ وہ محال اور نابود ہی۔ وہ بھی اِس عالمِ امکان سے خارج ہی۔ پس عالمِ امکان میں جو کچھ ہے۔ اُس کا ہر وقت ہونا ضرور نہیں یا اُس کا کسیوقت نہ ہونا اس کی دلیل نہیں۔ کہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسی حالت میں کیونکر کہا جا سکتا ہی۔ کہ قانونِ فطرت نہیں بدلتا۔ سب کچھ بدل سکتا ہی۔ بشرطیکہ خالقِ قادر و توانا چاہے اور وہی قانونِ فطرت ہی۔ الغرض سب سے زیادہ جاہل اور دشمنِ عقل وہ شخص ہی۔ جس کے سامنے کوئی عقلی دلیل پیش کیجائے اور وہ اُس کو ازراہِ تعصب نہ مانے یا وہ شخص ہی۔ جو امورات خلافِ قانونِ عادی کو سُنکر بجائے حصولِ معرفتِ الٰہی، یہہ کہے کہ یہہ بات ناممکن ہی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتی اِس کا یہہ مطلب ہوتا ہی۔ کہ جو چیز ہماری سمجھ میں نہ آئے وہ ناممکن ہی۔ اُس بیوقوف سے کوئی یہہ پوچھے کہ قانونِ قدرت کے مقابلہ میں تیری اور تیری سمجھ کی کیا حقیقت جب تو کسی ایک شے کی جسے کہ اپنی بھی حقیقت کو نہیں جان سکتا۔ پھر قانونِ قدرت کو کیونکر سمجھ سکتا ہی۔ یا وہ شخص جاہل ہی۔ جو ہر واقعہ خلاف قانونِ عادی کی صداقت پر ایک مثال کا گذشتہ زمانہ کی تاریخ سے طالب ہو اگر کوئی نظیر پیش نہ کرو۔ تو منکر ہو جائے یا وہ شخص اجہل ہی۔ جو بہ نظر اپنی کم عقلی کے آج کے چلتے ہوئے اثر کو فردا بھی اُس کا چلنا ضروری سمجھے گا۔

بلا ماں باپ کے انسان پیدا ہونیکی بین دلیل

سنئے۔ گو ہم اِس دلیل کو بیشتر بھی لکھ چکے ہیں۔ مگر یہاں اُس کا دوہرانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اوّل خلقت آدمی کی خلاقِ کامل اور قادرِ مطلق نے مادیات سے کی یہہ پہلی پیدائش انسان کی بغیر ماں باپ کے تھی۔ روزمرّہ کا مشاہدہ ہم کو بتا رہا ہی۔ کہ جملہ موجوداتِ عالم کا اصلی باپ یا ماں مادّہ ہے۔ نوع جنسے کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ہم جنس سے نہ سہی البتہ نوع سے ضرور اکثر حیوانات خواہ وہ حشرات الارض ہی کے درجہ کے

کیوں نہ ہوں روزانہ بغیر نوع جنسی کی موجودگی کے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً شروع موسم برسات میں بغیر بوٹیاں یا بغیر کیڑے مکوڑے بادہی اور گوبر ملاکر رکھنے سے بچھو یا سر گرٹے کو حمناک زمیں میں دبانے سے اکھجورے یا رس کو سرکہ بنانے سے ہزارہا کیڑے بغیر ماں باپ کی موجودگی کے پیدا ہوجاتے ہیں۔ علاوہ نوع حیوانات کے نوعِ نباتات کو دیکھیے صدہا قسم کی جڑی بوٹیاں بغیر تخم کے اپنے اپنے موسم پر صرف اسباب مادی کی فراہمی سے پیدا ہوجاتی ہیں۔ کیا اس بدیہی مشاہدہ کو دنیا میں کوئی جھٹلا سکتا ہے۔

نہ ماں کا پتہ تھا نہ نام پدر
کبھی یوں بھی پیدا ہوا تھا بشر

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہہ بھی ایک قدرت کا قانون ہے۔ اور قانونِ قدرت اٹل ہوتا ہے خواہ اُس پر عملدرآمد ہو یا نہ ہو۔ اور اس سلسلۂ توالد و تناسل کا نام بھی جو جاری ہے۔ قانونِ قدرت ہی ہے۔ رہا عمل یہہ قدرت کے اختیار ہے۔ خواہ وہ اُس طرح پیدا کرے یا اس طرح یا دونوں طریقوں کے بین بین جیسے پیدائش عیسیٰ علیہ السلام۔

مُردے کو زندہ کرنے کی نسبت سوامی جی کے قول سے ثبوت

مُردے کا زندہ کرنا اس کی نسبت ہمیں زیادہ دلیل لانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود سوامی جی نے مادیاتِ زمین پانی وغیرہ کو بیجان مان کر پیدائش عالم کے بیان باب ہشتم صفحہ ۱۷۵ میں خلقتِ موجودات کو ثابت کیا ہے۔ اس لئے خود سوامی جی کا قول اس امر کی دلیل ہے کہ مردہ مادہ سے جاندار شے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ہر شے خواہ وہ اقسام موالید ثلاثہ میں سے کوئی قسم کیسی ہی ہو۔ سب کی اسی بیجان مادہ سے پیدائش ہے۔ اور یہہ امر مسلمہ ہے۔ کہ جب انسان مرجاتا ہے تو صرف بیجان مادہ ہی مادہ رہ جاتا ہے۔ (روح جس کی وجہ سے وہ جاندار کہلاتا تھا نہیں رہتی) یہ ہی بیجان مادہ ہے۔ جس سے پھر جاندار کا پیدا ہونا سوامی جی تسلیم کرتے

ہیں اور مسئلہ تناسخ (آواگون) میں بھی یہ ہی دلیل لاتے ہیں۔ یہاں ہمیں تناسخ سے کوئی بحث نہیں صرف یہہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جب مردہ و بیجان مادہ سے جاندار انسان بنتا ہو تو مردہ انسان جو مادی ہو۔ کیا قدرتِ کاملہ سے زندہ نہیں ہو سکتا۔ کیا قدرت خلاق عالم سے یہہ بعید ہے۔ کہ اُس کو دوبارہ جان عطا فرمائے۔ نئے بنائے جسم میں رُوح کا داخل کرنا بمقابلہ بے بنے جسم کے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہی۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا مدلل ثبوت

رہا چاند کے ٹکڑے کرنا۔ ہمیں از روئے عقل و انصاف یہہ دیکھنا ہی۔ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا خلافِ قانونِ قدرت ہی یا نہیں شاید ہماری اس دلیل کو سماجی صاحبان اس نئے فلسفہ کی روشنی میں دیکھ بھال کر ضرور ہی تسلیم کر لیں گے۔ تحقیقاتِ قدیم و جدید سے ثابت ہو چکا ہی۔ کہ چاند ایک کرہ ہے۔ جو مادیات سے پُر اور مادیات کے اثر سے متاثر ہونے والا ہی۔ اور جملہ کروں کے متعلق قیاساً یہہ کہا جا سکتا ہی۔ کہ اُن میں مثل ہمارے کرّے کہ زلازل (بھونچال بھی) ضرور آتے ہیں۔ اور ہر زلزلہ سبب ہوتا ہی انشقاق (پھٹ جانے) مادیات کا۔ اور ہر کامل انشقاق کے بعد ہر کرہ میں جو مقناطیسی قوتوں سے معلق رہتا ہی۔ انفصال یعنی (پیوستگی) کا ہونا لازم آتا ہی۔ اور یہہ ممکن ہی۔ کہ کرہ قمر میں ان مادی اسباب کے ساتھ زلزلہ واقع ہو کر اُس کے دو ٹکڑے اس کرے والوں کو نظر آ سکیں۔ علاوہ اس کے چاند مادی ہے۔ اور فلاسفہ جدید بھی اُس کا مادی ہونا تسلیم کر چکے ہیں۔ اور مادہ کی صفت میں داخل ہی۔ کہ جسم رکھتا ہو اس لئے چاند کو مجسم ماننا پڑے گا۔ اور جسم کی صفات میں سمٹنا اور پھیلنا داخل ہی۔ یہہ بہت آسان ہی۔ کہ کوئی جسم پھٹ کر سمٹ جائے اور پھر پھیل کر مل سکے۔ اور بہت ممکن ہی۔ کہ یہہ عمل کرہ قمر پر ہوا ہو۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہی۔ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونا خلاف قانونِ قدرت نہیں۔ اب کرنے اور ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہی۔ کیوں کہ ہونا

خود بخود قدرت کے حکم سے ہو سکتا ہی۔ اور کرنا کسی اور فاعل کا فعل ہی۔ مگر بغور کیا جائے۔ تو قدرت ہی کا فعل معلوم ہوتا ہی۔ یہہ کام طاقت بشری سے باہر ہے۔ ہاں اگر خدا چاہے تو ہو سکتا ہے سوامی جی نے لفظ کرنا تحریر فرمایا ہی۔ در پردہ نہیں بلکہ صاف طور پر معجزہ شق القمر پر اعتراض کیا گیا ہی۔ جو رسول برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بمقابلہ بت پرستوں کے ظہور میں آیا تھا۔ اور معجزہ ایک واقعہ ہی۔ اور واقعہ کا ثبوت تاریخ عالم سے مل سکتا ہے۔ پہاڑ کا اٹھانا اور سمندر میں پتھر تیرانا بھی ایسی طرح ممکن ہی۔ جس طرح چاند کے ٹکڑے کرنا۔ جو عالم الامکان سے خارج نہو اُس کے لئے سب کچھ ممکن ہی آگے چلکر سوامی جی پرمیشور کے اوتار اور آدمی کے سینگ کو خلاف قدرت مانتے ہیں۔ پرمیشور کے اوتار کے متعلق تو ہم بھی سوامی جی کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ ذات الٰہی تولید و توالد سے بری ہے۔

صورت نوعیہ کے متعلق بحث

ہاں اتنا ضرور کہینگے۔ کہ مادیات اور خلقت کی بحث کے بعد سوامی جی ذات الٰہی تک پہونچے اور ذات الٰہی کے بعد ایسے اندھیرے غار میں گرے جو صورت نوعیہ کے متعلقات میں داخل ہی۔ جس کی بنا جگر کی قوت مصورہ کے فعل پر موقوف ہی۔ واہ سوامی جی یا تو وہ بلند پروازی تھی یا اس قدر پستی۔ قوت مصورہ اکثر سوء مزاجی جگر کے باعث صورت نوعیہ کے بدلڈالنے پر آمادہ ہو جاتی ہی۔ جس کی صدہا مثالیں اور واقعات چشم دید موجود ہیں اور ایسے بہت سے انسان و حیوان وغیرہ ہیں۔ جن کی بعض بعض اعضا و اشکال اُن کی صورت نوعیہ سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ہر نمائش میں ایک دو مثال اور تمام عجائب خانوں میں ایسی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ جو عجیب الخلقت ہونے کے سبب سے تماشائے عالم ہیں۔ یا گائے کے پیٹ سے بصورت انسان بچہ پیدا ہونا۔ عورت کے پیٹ سے بصورت حیوان سانپ وغیرہ پیدا ہونا۔ یا بعض بعض اعضا میں اختلاف ہونا یعنی صورت نوعیہ سے علیحدہ نظر آنا

جیسے نادیا گائے ۔ دو زبان والا بیل وغیرہ وغیرہ

عجیب الخلقت بچہ پیدا ہونے کی مثال

سید محمد رضا صاحب پنشنر پولیس نے جو حق پسند اور راست گو شخص ہیں ۔ اپنے واقعات ملازمت سے دو مثالیں اپنی چشم دید ہم سے بیان کیں جن کی رپورٹیں وہ اپنے محکمہ کے افسر اعلیٰ کو دے چکے تھے جس پر سننے والوں کو تعجب ہوتا تھا ۔ ہم ان دو مثالوں سے صرف ایک مثال درج کرتے ہیں ۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں جب کہ ان کی تعیناتی پولیس اسٹیشن جہان آباد ضلع فتحپور ہنسوہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں بعہدہ سب انسپکٹری تھی مقصلات میں ایک گائے کے بچہ پیدا ہوا ۔ جس کا چہرہ بالکل صورت انسانی سے ملتا جلتا تھا ۔ باقی تمام جسم گائے جیسا تھا ۔ جس پر علاوہ اور لوگوں کے دار نہ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اس قدر تعجب ہوا ۔ کہ صاحب بہادر موصوف نے سب انسپکٹر صاحب کو بنا بر تفتیش حالات حکم دیا ۔ تاکہ یہ بات معلوم کی جائے ۔ کہ کسی انسان نے تو گائے کے ساتھ خلاف وضع فطری فعل نہیں کیا ۔

ایضاً دوسری مثال

ایسی ہی ایک مثال ہمارے معزز و محترم سید محمد اختر صاحب نے بیان فرمائی کہ موضع کھندوڑہ پرگنہ جلال آباد ضلع میرٹھ میں مسمی بھگوان سہائے قوم تگا کی عورت کے تین روز میں سات بچے بصورت انسان اور آٹھواں بچہ بصورت مرغ پیدا ہوا ۔ مگر ان سب میں زندہ ایک بھی نہ رہ سکا ۔ یہاں تک جننے والی عورت بھی مر گئی ۔ علاوہ اس کے نمائش دہلی ۱۹۲۹ء میں ہم نے خود دو لڑکیوں کو اس طرح توام دیکھا کہ قدرت خدا کا جلوہ نظر آگیا ۔

مرض رجا اور صورت نوعیہ کا اختلاف

ہم سوامی جی کے مقلدین کو مرض رجا کی جانب بھی توجہ دلاتے ہیں ۔ جس سے اکثر اس قسم کی

صورتیں بن جایا کرتی ہیں۔ جو علاوہ صورتِ نوعیہ کے ہوتی ہیں۔ تعجب ہے کہ مرض تو صورت کو بدل سکے اور خلاق کامل مجبور ہو۔

بانجھ ہونا قانون فطرت توڑنے کی دلیل ہے

بانجھ کے لڑکا یا لڑکی ہونے کے متعلق ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ بانجھ پن ایک مرض ہے۔ جو اکثر دور ہونے کے بعد مرد یا عورت کو اولاد پیدا کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ اور یہی مسئلہ سوامی جی کے ذہنی مقرر کردہ قانونِ فطرت کو توڑنے کی اعلیٰ دلیل ہے۔ مثلاً عورت کی پیدائش سے فطرتاً یہی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ وہ بقائے نسل اور بچے جننے کے لئے بنائی گئی ہے۔ پھر سوامی جی کے خیال کے موافق خلافِ قانون عادی بانجھ ہو کر بچہ نہ جننا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور آیا یہ امر خلافِ فطرت ہے یا نہیں۔

صورتِ نوعیہ ہو یا موجوداتِ عالم ہیں سے اور کوئی شے قادرِ مطلق اس کو اکثر ہمارے ذہنی معیار کے خلاف اس لئے بنا دیتا ہے۔ کہ اس کی قدرت کی شان ہم کو معلوم ہو جائے۔ اور اس بات کا بھی کامل یقین ہو جائے۔ کہ اگر وہ قادرِ مطلق چاہے تو اس نظامِ عالم کو بھی کسی دوسری صورت میں تبدیل کر سکتا ہے۔

سوامی جی کا منطق بھی کچھ عجیب بیڈھنگی چیز ہے۔ جو قانونِ قدرت ہی نہیں۔ بلکہ مشاہدات تک پر خاک ڈالنا چاہتا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مادیات پر نجات کا انحصار

عبارت متن صفحہ ۵۲ سطر ۲۳ لغایت ۲۸ از باب سوم

جب انسان ٹھیک ٹھیک دھرم پر چل کر پاک ہوتا ہے۔ تب سادھرمیہ

(یعنی جو یکساں خواص ہیں مثلاً زمین بے جان پانی بھی بے جان) ویدھرمیہ (مثلاً زمین سخت اور پانی نرم) اسی طرح سے دَرویہ جوہر) گُن (صفات) کرم (افعال) سامنیہ (ذاتی صفت) وشیش (خصوصیت) اور سموایہ (مدامی اجتماع) ان چھ پدارتوں (چیزوں) کی اصلیت کو جان لیتا اور نجات حاصل کرتا ہے۔ (ویشیشک درشن۔ ادھیائے آہنک اسوتر ۴)۔

جواب۔ نجات کے معنی چھٹکارا پانے کے ہیں۔ جو اصطلاحی طور پر عاقبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور غالباً سوامی جی نے بھی انہیں معنی میں استعمال کیا ہے مگر عملی افتراق پیدا ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتراض ہے۔ سوامی جی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص مادّے کے خواص اور کیفیت اور ذاتی طاقت۔ دائم البقا ہونے کو جان لیتا ہے۔ وہ نجات حاصل کرتا ہے۔ گویا نجات اُخری مشروط ہے۔ حقیقت مادیات جان لینے پر۔ افسوس اگر سوامی جی یہ کہتے کہ انسان پہلے اپنی معرفت پیدا کرے۔ تو بہت بہتر ہوتا۔ اس لئے کہ اپنے آپ کو پہچان لینے سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ مگر یہاں علم الٰہی کا تو ذکر ہی نہیں صرف مادہ ہی مادّہ پر نجات موقوف ہے۔ کس قدر تعجب خیز بات ہے۔ کہ صرف جوہر۔ صفاتِ جوہر۔ افعال صفتِ ذات۔ خصوصیت۔ مدامی اجتماع ان چھ چیزوں کے جان لینے سے نجات ہو جاتی۔ کیا کوئی صاحب عقل اس دیانندی مسلک کو قبول کر سکتا ہے۔ کیا سماجی صاحبان ان چیزوں کے جاننے سے نجات پا سکتے ہیں۔ آریہ حضرات اس امر کا بجائے خود فیصلہ کریں۔

دل کے جوہر نہ ہونے کی دلیل

عبارت متن صفحہ ۵۳ سطر ۲ لغایت ۱۰ ازباب سویم

خاک[۱]۔ آب[۲]۔ آتش[۳]۔ باد[۴]۔ خلا[۵]۔ وقت[۶]۔ اطراف[۷]۔ روح[۸] اور من[۹] یہ نو دروییہ (جوہر) ہیں۔ جس میں حرکت اور صفات یا صرف صفات رہیں اُس کو

درویہ کہتے ہیں۔ اُن میں سے خاک۔ آب۔ آتش۔ باد۔ من اور رُوح یہ چھ درویہ حرکت اور صفات والے ہیں۔ اور آکاش یعنی خلا اور وقت اور اطراف تینوں بے حرکت صفت والے ہیں۔ جو علتِ آمیزش کے ذاتی فعل سے ظاہر ہو کر پہلے محلول سے موجود ہو اُس کو درویہ (جوہر) کہتے ہیں۔ جس سے لکشیہ (نشانہ) قابلِ بیان یعنی جس کو معلوم کرنا ہو جانا جائے۔ جس طرح آنکھ سے شکل کا علم ہوتا ہے۔ وہ لکشن (تعریف) کہلاتا ہے (ویشیشک ادھیائے اوّل آہنک اوّل سوتر ۵ و ۱۵)

جواب۔ سوامی جی نے علاوہ اور مادی جوہروں کے من یعنی دل کو بھی جوہر مانا ہے جو نطفہ، گوشت کا لوتھڑا اور مرکب ہے۔ اور چونکہ جملہ جوہر انادی اور ازلی سوامی جی نے مانے ہیں اس لئے من بھی ازلی جوہروں کی شمار میں ازلی ہی ثابت کیا گیا ہے۔ کیا سماجی صاحبان کوئی دلیل ایسی پیش کر سکتے ہیں جس سے دل بھی ازلی سلک میں منسلک ہو جائے۔

جوہر ازلی نہیں ہو سکتے

دل تو دل اور تمام جوہر بھی ازلی نہیں ہو سکتے۔ نہ اُن کی صفات و حرکات ذاتی ہو سکتی ہیں۔ کیا من آمیزش کے ذاتی فعل سے ظاہر ہو کر معلول سے پہلے موجود تھا۔ کیا دل پر علت کی تعریف صادق آسکتی ہے جو اس کو درویہ (جوہر) کہا گیا ہے۔

جوہروں کے حادث ہونے کی فلسفی دلیل

ازلی اُس کو کہتے ہیں۔ جو بذاتِ خود قائم ہو۔ اور جو بذاتِ خود قائم ہو وہ واجب الوجود ہے یعنی ذاتِ الٰہی اور ذاتِ الٰہی اس عالم امکان سے خارج ہے۔ اگر خارج نہ ہوتی تو ممکنات میں داخل ہو کر واجب نہ رہتی اور اُس کا نظر آنا یا مجسم ہونا بھی ضرور ہوتا۔ اور ایسی حالت

میں کوئی ذات بذاتِ خود قائیم نہیں ہو سکتی۔ لہذا سوائے ذاتِ خداوندی کے جو خارج عالم امکان ہے۔ اور جو کچھ اس عالمِ امکان میں داخل ہے۔ وہ بذاتِ خود قائیم نہیں۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ آتش و باد و آب و خاک اگر بالذات ہیں تو یہہ بھی عالمِ امکان سے خارج ہو کر ہماری نظروں سے غائب ہونے چاہئیں۔ ورنہ یہہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہہ عناصر کسی خالق کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ خالق بالذات قائم و موجود ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ مادّیات کو بذاتِ خود موجود مانا جائے۔ اور مادیات میں حرکت و صفات بھی ازلی اور بالذات ہی موجود ہو اور اُن کا اجتماع بھی دائمی ہو پھر مصنوعات میں کسی کاریگر کی ہرگز ہرگز احتیاج باقی نہیں رہتی۔ جس کے لئے سب سے زیادہ آسان دلیل یہہ ہے۔

مادے کے مخلوق ہونے کی ایک اور دلیل

جب کہ مادّیات میں حرکات اور صفات ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر ملنے جلنے کی (جو کسر و انکسار واقع ہونے کی بین دلیل ہے) مع ان معمولی علتوں کے (جو وقت وغیرہ سے متعلق ہیں) موجود ہیں (کیونکہ حرکت کا ہونا تب ہی صادق آسکتا ہے۔ کہ جب حرکت کرنے والی شے اپنی جگہ تبدیل کر سکے) تو پھر کسی چیز کے بننے کے لئے بنانے والے کی کیا ضرورت فاعل بے کار محض کی کیا حاجت۔ کیونکہ ہر شے کے بننے کے واسطے ایک قوت کی ضرورت ہے۔ اور حرکت ایسی قوت ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے لاگ لپیٹ کی حاجت باقی نہیں رہتی پھر کسی مفروضہ قوت کا ماننا کیا معنی رکھتا ہے۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ ہر مادّی شے (جو جسمانیت سے مبرا نہیں) خواہ بنے یا بگڑے حالت اولیٰ میں ہو یا ثانیہ میں کسی نہ کسی شکل سے متشکل ضرور ہوگی۔ اور جب کسی شکل سے متشکل ہوگی تو یہہ صورتیں نمودار ہوں گی۔ جو ہم کو موجودات عالم سے نظر آتی ہیں۔ اور جب یہہ کیفیت ہے۔ تو پھر مادّیات کے علاوہ کسی بے کار محض جس کو قادر مطلق۔ قوی۔ توانا۔ بینا۔ خالق کل۔ محیط۔ غائب۔ موجود ایسے ہی سینکڑوں

ناموں سے موسوم کرتے ہوئے - خلاق عالم کہنا یا ماننا - ہمارے ہی نہیں - بلکہ کل اہل الرائے کے خیال میں صرف برائے گفتن ہی - کیونکہ مادہ اور اُس کی صفت کو ازلی ماننا خدا کے نہ ماننے کی کافی دلیل ہی - جس کو سوامی جی نے دہوکے کی ٹٹی ہٹا دیا ہے -

خلا کا ابطال

بہت

بحث عناصر کو چھیڑتے ہوئے سوامی جی کے اقوال پر نظر ڈالتے ہیں - تو غلط ہی غلط ثابت ہوتے ہیں - کیونکہ جب عناصر اربعہ ازلی ہیں - تو خلا کا ہونا کیا معنی رکھتا ہی - اس لئے کہ جب ہوا قدیم ہے - تو خلا (آکاش) کیسا اور کیوں ہو - اور اگر خلا ہو تو ہوا نہ ہونی چاہیئے - نتیجہ یہہ نکلتا ہی - کہ جہاں ہوا موجود ہے - وہاں خلا ناممکن - اور یہہ بات قرین قیاس ہی کہ جب تمام کرے جس میں ہمارا کرہ بھی شامل ہی - معلق ہیں جو بغیر ہوا کے جس میں مقناطیسی کشش موجود ہے - بحالت خلا ہونے کے قائم نہیں رہ سکتے - کیونکہ خلا میں کوئی قوت کسی بوجھ کے اٹھانے کی یا کشش کسی شے کے کھینچنے کی نہیں ہوتی - اس لئے خلا محال ہے - اور محال عالم امکان سے بسبب عدم ہونے کے خارج ہے اور جو شخص خلاف فلسفہ بدیہیات خلا کو تسلیم کرتا - اور تخلخل میں تداخل ہوا کو محال جانتا ہے - وہ خالی الذہن ہی - کیونکہ خلا کو تسلیم کرنے میں لازم آتا ہی - کہ پہلے خلا ہو اور بعد اُس کے ہوا کی خلقت اس لئے کہ اس عالم میں کوئی تخلخل ایسا نہیں پایا جا سکتا - جسمیں ہوا موجود نہ ہو تو گویا خلا - ہوا کی پیدائیش سے پہلے تھا - بلکہ زمین - پانی - آگ - ان سب کی خلقت خلا کے بعد پائی جاتی ہی - تو پھر سوامی جی ہوا - آگ - پانی - خاک کو انادی اور ازلی کس طرح کہہ سکتے ہیں - اگر اربعہ عناصر کو ازلی اور قدیم مانتے ہیں - تو خلا غائب ہو جاتا ہی - اور اگر خلا کو قدیم مانا جائے - تو اربعہ عناصر کی قدامت خاک میں مل جاتی ہی - ہمارا خیال ہی کہ سماجی صاحبان سوائے بغلیں جھانکنے کے کوئی معقول جواب نہ دے سکیں گے - اور یہی تردید اُن سے آریہ مذہب چھوڑ دینے کا سبب ہو جائے گی

اور پھر ہم ان کو حقیقی اسلامی تعلیم سے آراستہ کریں گے۔ انشاءاللہ العزیز۔

وقت اور اطراف کے دائمی نہ ہونے کی دلیل

وقت اور اطراف یہ دونوں ستیارگان کی گردش سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسی سے ہمنے امتیازی طور پر۔ دوپہر۔ سہ پہر۔ صبح وشام۔ رات۔ دن۔ یوم۔ ہفتہ۔ ماہ اور سال (وقت) پورب پچھم۔ اوتر۔ دکھن۔ نیچے اور اوپر اطراف قائم کرلئے ہیں۔ بغیر گردش ستیارگان وقت اور جہت کا علم نہیں ہوسکتا۔ سماجی صاحبان کو جملہ ستیارگان کو بھی جو آلہ امتیازی ہیں۔ دوامی ماننا پڑیگا۔ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۵۴ سطر ۲۰ لغایت ۲۴ و صفحہ ۵۵ سطر لغایت ۳ میں سوامی جی نے اطراف کی شرح کرتے ہوئے۔ سورج کے طلوع اور غروب سے سمتوں کو پہچانا ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے۔ جہاں سمتوں اور اوقات کو ازلی مانتے ہیں۔ وہاں سورج اور دیگر ستیارگان کو بھی ازلی اور انادی مان لیویں۔ ورنہ وقت اور اطراف غائب ہوجائیں گے سماجی صاحبان غور فرمائیں۔ کہ یہ سوامی جی کا مقرر کردہ کلیہ کس حد تک صحیح ہے۔

خاک میں بُو کی صفت نہ ہونے کے متعلق دلائل

عبارت متن صفحہ ۵۳ سطر ۱۵ از باب سویم

خاک میں بو کی صفت ذاتی ہے۔ اسیطرح پانی میں ذائقہ۔ آتش میں شکل باد میں لمس اور خلا میں آواز کی صفت ذاتی ہے۔ ادیشیشک درشن ادھیائے ۲ آہنک ۲ سوتر ۲۔

جواب۔ ہم دقیق دلائل فلسفی جن کو عام لوگ نہ سمجھ سکیں پیش کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ایک آسان دلیل لکھتے ہیں۔ مثلاً بفرض محال خاک میں بُو کی صفت ہے۔ اس کی مستحق خاک اپنی ذات سے تھی۔ یا خدا نے اُس کو یہ صفت بخشی۔ اگر خاک میں بو کی صفت ذاتی ہے

تو اس صفت کا خاک سے ظاہر ہونا بہ نظر ذات کے یا تو ممکن ہی واجب نہیں یا واجب اور ضروری ہی۔ اور جس چیز کا حق کسی شئے کو بالذات ہوتا ہی۔ تو اُس کی ذات خود ہی اُس چیز کے حصول میں کافی ہوتی ہی۔ کسی دوسرے کی احتیاج اُس کے حاصل کرنے میں نہیں ہوتی۔ تو گویا خاک بھی اس اثر کے حصول میں خدا کی محتاج نہیں۔ کیونکہ خدا کی ذات اور ہے اور خاک کی ذات اور ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ خاک خدا کا غیر ہے۔ اور خدا محیط کل پھر محیط کل کے احاطے میں اُس غیر کا جو اپنی ذاتی طاقت علیحدہ رکھتا ہو۔ کیا دخل۔ سوامی جی کا یہ خیال کہ خاک میں بُو کی صفت ذاتی یعنی خود بخود ہے۔ خدا نے اُس کو یہ اثر نہیں بخشا اسیطرح جملہ اشیائے موثرہ میں جو تاثیریں سوامی جی نے تحریر فرمائی ہیں۔ وہ اُن کی ذاتی وجہ سے ہیں لیجئے صاحب خدا سے تو بالکل صاف صاف انکار ہو گیا۔ غور کیجئے کہ اگر خدا رہا بھی تو کس مصرف کا۔

اور اگر خدا کے وجود کو مانا جائے اور خاک میں بُو کی صفت بھی بنظر اُس کی ذات کے ممکن تسلیم کر لی جائے۔ تو البتہ خاک حصول صفت میں کسی دوسرے کی محتاج ہو گی۔ یعنی خدا کی نتیجہ یہہ نکلتا ہی۔ کہ یہہ صفت اُس میں بالذات قایم نہیں ہی۔ بلکہ خدا کی دی ہوئی ہی۔ تو اس صورت میں اس صفت کو ذاتی نہیں بلکہ عارضی کہیں گے۔ ایسی ہی صورت میں خدا کو قادر مطلق اور خالق کل کہا جا سکتا ہی۔ اسی پر پانی۔ آتش اور باد کی صفات کو خیال کرنا چاہیئے۔ اور بھی ایک دلیل سن لیجئے۔

طبّی نظر سے صفات عناصر پنجگانہ اور بُو کی حقیقت

خاک میں بُو کی صفت ہرگز نہیں ہوتی۔ کیونکہ خاک کا مزاج سرد خشک ہے۔ اور سردی وخشکی دلیل ثقالت ہی اور بُو لطیف ہے۔ جو بلا مائی وناری اجزا کے پیدا نہیں ہو سکتی بخارات مائی اور دخان ارضی جو نار سے حاصل ہوتے ہیں۔ جمع ہو جاتے ہیں۔ اصطلاح حکمائیں ان دونوں میں میل جول واقع ہونے کے بعد نضج کامل ہو کر جو تاثیر پیدا

ہوتی ہے۔ اس کا نام بُو ہے جو حسب کمی بیشی مادہ خوشبو یا بدبو کہلاتی ہے۔ اسی کو ہوا منتشر کر کے مشام انسان تک پہونچاتی ہے۔ خاک بیچاری اس الزامی صفت سے بری ہے۔ جس کو سوامی جی یا سوامی جی کا وید (جس میں مسائل حکمیہ کا دخل ہی نہیں) خواہ مخواہ خاک کے سر تھوپے دیتا ہے۔

ذائقہ پانی کی صفت نہیں ہے

اسی طرح پانی میں ذائقہ کی صفت جو بلا ترکیب اجزائے ارضی اور ناری حاصل نہیں ہو سکتی کبھی قابل قبول نہیں ہاں البتہ پانی اور خاک شکل سے متشکل ضرور ہیں۔ اور یہہ ترکب ہے۔ صورت جسمیہ اور ہیولی کا۔ اسیطرح ہوا اور آتش جسم رکھتے ہیں۔ مگر بمقابلہ خاک و آب کے لطیف ہیں اور ہر جسم خواہ کثیف ہو یا لطیف کسی شکل سے متشکل ضرور ہوتا ہے صرف آتش میں شکل کا قیام بالکل غلط ہے۔

قوت لمس صرف ہوا کی صفت نہیں

قوت لمس بھی ہوا اور آگ دونوں کے ملنے جلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ صرف ہوا سے لمس کا تعلق نہیں ہوتا۔ رہا خلا یہ ایک وہمی اور خیالی بات ہے۔ جس کی تردید ہم اس سے قبل بیان میں کر چکے ہیں۔

خلا کی صفت آواز غلط ہے

اسیطرح خلا کی صفت آواز بھی سوامی جی کی ذہنی عقیدت مندی ہے۔ ورنہ کجا خیالی خلا اور کجا آواز۔ شبد کوئی مجسّم شے نہیں جس کی جائے رہائش سوامی جی خلا میں بیان فرماتے ہیں۔

آواز کی حقیقت

آواز ایک آہٹ ہے۔ تفرق اتصال کی جو ہوا کے ذریعے سامعہ کو محسوس ہوتی

ہے جس کو خلا میں مقدم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تفرق یا اتصال بلا جسم کے ہو نہیں سکتا۔ اور جسم کی موجودگی میں خلا ناممکن۔ خلا کی تعریف تب ہی صادق آسکتی ہی۔ کہ اُس میں کوئی مجسم شئے واقع نہ ہو۔ سوامی جی کو عقل پر زور دیکر یہہ سمجھنا چاہیئے تھا۔ کہ خلا ایک غلط فرضی شئے ہے جو فضائے عالم کے واسطے (جس میں ہوا موجود ہوتی ہی) فرض کرلی گئی ہی۔ افسوس چونکہ ہوا لطیف ہی۔ اس لئے سوامی جی تمیز نہ کر سکے۔ اور خلا سمجھے۔ رہا تداخل لہ و تخارج لہ۔ جب ہوا میں کسی جسم کا تداخل ہوتا ہی۔ اُس مقام کی ہوا پھٹ کر سمٹ جاتی ہی۔ اور بحالت اخراج شئے ساتھ ہی ساتھ پھیل جاتی ہی۔ جب تک دو متفرق جسموں میں اتصال یا متصل میں افتراق واقع نہ ہو جب تک نہ ہوا پھٹتی نہ پھیلتی ہی۔ نہ آواز پیدا ہوتی ہی۔ ہوا کے پھٹنے سمٹنے اور پھیلنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہی۔ اُسی کا نام شبد ہے۔ سماجی فلاسفرد چنکوادر اس ہماری بنائی ہوئی فلسفی چٹنی کو چکھو۔

ارواح اور اُن کا بیان

عبارت متن صفحہ ۵۵ سطرہ ۵ و ۶ و ۹ لغایت ۱۳ از باب سویم

جس میں رغبت۔ نفرت۔ کوشش۔ رنج و راحت کا محسوس ہونا یہہ صفات ہوں وہ رُوح ہے (نیائے درشن ۱۰) اس بارہ میں ویشیشک درشن میں اتنا فرق ہی۔ پران (باہر سے ہوا کو اندر داخل کرنا) اپان (اندر سے ہوا کو باہر لے جانا) آنکھ کو نیچے اوپر لے جانے کی حرکت۔ سانس لینا غور و فکر کرنا یعنی جاننا۔ اپنی مرضی سے حرکت کرنا۔ حواس خمسہ کو اپنے اپنے کام پر لگانا اور اُن سے حس محسوس کرنا۔ بھوک۔ پیاس۔ بخار درد وغیرہ تبدیلیوں کا ہونا۔ رنج۔ راحت۔ خواہش۔ نفرت۔ کوشش یہہ سب رُوح کے نشان یعنی کام اور خواص ہیں۔ (ویشیشک درشن

لہ داخل ہونا

لہ خارج ہونا

(ادھیائے ۳ - آہنک ۲ - سوتر ۴)

جواب - رُوح جس کی جمع ارواح ہی تین ہیں - ایک رُوح طبعی - دوسری روح نفسانی - تیسری رُوح حیوانی - ان میں سے ہر رُوح ایک دوسرے سے جدا فعال و خواص میں بیگانہ رہتی ہی - اگر ہم اس کو مشرح بیان کریں - تو صرف اسی بیان و تفصیل کے واسطے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے - اور اغلب ہی کہ پھر بھی پوری تفصیل نہ ہو سکے اس لئے مختصر یہ ہے - کہ رُوح طبعی جگر میں ہوتی ہی - یہ رُوح تغذیہ اور تنمیۂ جسم کا کام کرتی ہی - رُوح نفسانی دماغ میں ہی - جس کا کام احساس اور ادراک اور محسوسات و مدرکات کے متعلق خواہش و نفرت ہے - رُوح حیوانی قلب میں ہی - اس کا کام بقائے حیات ترویج قلب اور حرکتِ انبساطی و انقباضی کا قائم رکھنا ہے - یہ روح خوف - غضب - غم - خوشی سے متاثر ہوتی ہی - اور بقول بعض حکمار رُوح طبعی اور نفسانی اسی سے پیدا ہوتی ہیں معلوم نہیں کہ سوامی جی نے کونسی رُوح کے تمام کام بیان فرمائے ہیں - اس لئے کہ ارواح جسمانی میں ہر رُوح کا فعل جداگانہ ہے - جیسا کہ ہم بالایجاز بیان کر چکے ہیں - یہاں پر ایک مثال بھی بطور دلیل لکھتے ہیں - مثلاً کسی شخص کو سکتہ ہو جاتا ہی - جس کا اثر صرف رُوح نفسانی پر ہوتا ہی - رُوح حیوانی اور طبعی میں خاص ہرج واقع نہیں ہوتا - وہ اپنا کام تھوڑا بہت کئے جاتی ہیں - البتہ رُوح نفسانی مسدُود ہو کر بے کار ہو جاتی ہی - یا رُوح طبعی جب تغذیہ اور تنمیہ کے فعل سے عاجز ہوتی ہی - تو اُس وقت رُوح نفسانی اور حیوانی میں کوئی فرق نہیں ہوتا - معلوم ہوا کہ ہر رُوح اپنا اپنا کام علیحدہ کرتی ہی - اور رُوح کو ان ارواح جسمانی کے افعال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا - غالباً ہمیں زیادہ مفصل لکھنے کی ضرورت نہ ہو اور ارباب دانش اسی مثال کو ماقل و دل کا مصداق سمجھ کر سوامی جی کے غلط اقوال کو جانچ سکیں -

دل سے علم کا تعلق نہیں ہوتا

عبارت متن صفحہ ۵۵ سطر ۱۵ از باب سویم

جس میں ایک وقت میں دو باتوں کا علم نہیں ہو سکتا۔ اُس کو من کہتے ہیں (نیار ۱۵-۱-۶)

جواب۔ غالباً من کے معنی سوامی جی کے خیال کے موافق اور بمطابقت منو سمرتی دل ہو سکتے ہیں۔ اور دل کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ نہ دل میں تحصیل و تحفظ علوم کا کوئی ذریعہ موجود ہے البتہ تحصیل علوم کا حواس خمسہ باطنی ذریعہ ہیں۔ اور جملہ علوم کا خزانہ دماغ ہے۔ جس کی پوری تشریح ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں۔

دام تزویر میں پھنسانے کی ترکیب معہ تردید

عبارت متن صفحہ ۵۵ سطر ۱۶ الغایتہ ۲۹ و صفحہ ۵۶ و ۵۷ سطر الغایتہ ۱۲ از باب سویم

صفت۔ شکل۔ ذائقہ۔ بو۔ لمس۔ شمار۔ مقدار۔ تفریق۔ آمیزش۔ تقسیم نزدیکی۔ دوری۔ تمیز۔ رنج۔ راحت۔ خواہش۔ نفرت۔ کوشش بھاری پن۔ بہاؤ۔ تری۔ نقش۔ دھرم۔ (نیکی) ادھرم (بدی) اور آواز یہ صفات کہلاتی ہیں۔ (ویشیشک ۱-۱-۶)

جواب۔ سوامی جی نے ان جملہ صفات کی تشریح و معانی بیان کئے ہیں۔ جس سے سوائے یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ ستیارتھ پرکاش کے یہ صفحے کسی اسکول کی ابتدائی جماعتوں کے واسطے تسہیل اللغات کا کام دے سکتے ہیں۔ ورنہ بچے سے بڑے تک کون ایسا ہے کہ جو شکل کو شکل۔ گنتی کو گنتی۔ ذائقہ کو ذائقہ دوری کو دوری۔ قرب کو قرب۔ بو کو بو۔ پاس کو پاس۔ ملنے کو ملنا۔ کوشش کو کوشش

آرام کو آرام - خواہش کو خواہش - گھن کو گھن - نیکی کو نیکی - بدی کو بدی اور رنج کو رنج نہ سمجھتا ہو - اور اُن کے پہچاننے کے طریقہ کو نہ جانتا ہو - البتہ دامِ علم پھنسانے کی ترکیب سوائے اس کے نہیں ہو سکتی کہ اُس آدمی کے خیال کو جس کو پھانسنا منظور ہے - معمولی باتوں کے صحیح معنی بتا کر مرض یقین ہیں گرفتار کر لیا جائے - تاکہ آئندہ وہ کسی مشکوک اور غلط معنی میں بھی معترض نہ ہو سکے - یہہ ترکیب سوامی جی نے نکالی تو اچھی تھی - بشرطیکہ کوئی مذہب حقیقی یا سچا قانون اس کی تردید نہ کرتا۔

علت و معلول کی بحث پر تنقیدی نظر

عبارت متن صفحہ ۵۷ سطر ۱۴ و ۱۶ و ۱۹ از باب سویم

علت کے ہونے سے ہی معلول ہوتا ہے - (ویشیشک ۴ - ۱ - ۳) معلول کی عدم موجودگی سے علت کی عدم موجودگی نہیں ہوتی - (ویشیشک درشن ادھیائے ۱ - آہنک ۲ - سوتر ۲) علت کے نہ ہونے سے معلول کبھی نہیں ہوتا (ویشیشک درشن ادھیائے ۱ - آہنک ۲ - سوتر ۱)

جواب - سوامی جی نے علت و معلول کی بحث از روئے منطق اس مقصد سے کی ہے - کہ خود بھی اس پر کاربند رہیں - اور خلقت خدا کو بھی دام تزویر میں پھنسا کر گمراہ کر دیں - اور اس ترکیب سے عالم کی علت مادی یعنی سبب اولے ازلی ثابت کر سکیں - (مگر مخلوق علت اولے کی نسبت دلیل منطقی سے یہہ کہدینا کہ غیر مخلوق ہے - کیونکر صحیح ہو سکتا ہے) سوامی جی کو غور کرنا چاہیئے تھا - کہ پیدائش عالم کے واسطے کون کونسی علتیں کار ہیں - ہماری رائے میں تو صرف حکم الٰہی ہی کافی ہے - نہ کسی علت کی ضرورت نہ سبب کی حاجت - مگر زمانہ حال کی تحقیقات سے بیشمار عناصر ثابت ہوتے ہیں - اور تمام محققین حال اس کے مدعی ہیں کہ جملہ عناصر کو خلقتِ عالم میں دخل ہے اور سوامی جی کے یہاں چار عناصر پانچویں رُوح چھٹا من اور اُن کے علاوہ تین معمولی

علتیں خلا۔ وقت۔ اطراف میں بغیر ان کے گویا کوئی چیز بنتی ہی نہیں۔ ان جملہ چیزوں میں سے من اور خلا تو بالکل ہی بے کار چیزیں ہیں۔ جن کی تردید ہم لکھ چکے ہیں۔

عناصر اربعہ پر بحث

یہاں ہمیں صرف عناصر اربعہ پر بحث کرنا مقصود ہے۔ جس کو سوامی جی خلقت عالم کی علتِ اولیٰ جانتے ہیں۔ اور یہہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ علت اولیٰ کسی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہوتی یعنی غیر مخلوق ہے۔

مفرد و مرکب کی بحث

ہم کہتے ہیں کہ ہر عنصر جو سبب اولیٰ ہونے کی قابلیت رکھتا ہو۔ وہ مفرد ہونا چاہیئے۔ نہ کہ مرکب کیونکہ ہر مرکب اپنی ذات میں محتاج ہوتا ہے۔ ترکیب کا۔ اور مفرد بالذات قائم ہوتا ہے۔ جس کو از روئے وجوب عالم امکان سے خارج ہونا چاہیئے۔ بحث واجب و ممکن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہمیں یہہ ثابت کرنا ہے۔ کہ عناصر جو عالم کی علت اولیٰ قرار دیئے گئے ہیں وہ مفرد ہیں۔ یا مرکب۔ مثلاً آتش۔ اگر بروے علم ماہیت الاشیا آگ کی حقیقت پر غور کریں تو وہ دو جزوں سے مرکب معلوم ہوتی ہے۔ اور اس ترکیب میں ہیولیٰ اور صورتِ جسمیہ کو دخل ہے۔ ہیولیٰ وہ ہے۔ کہ خود بخود کچھ نہ بن سکتا ہو۔ مگر صورت اور شکل کو قبول کر سکے۔ اور خود کوئی شکل نہ رکھتا ہو۔ صورتِ جسمیہ وہ شے ہے۔ جس میں ابعاد ثلاثہ یعنی لمبائی۔ چوڑائی۔ گہرائی پائی جاوے۔

ہیولیٰ اور صورت جسمیہ کے مخلوق ہونے کی دلیل

انہی دونوں چیزوں یعنی (ہیولیٰ اور صورت جسمیہ کے) ملنے سے آگ۔ ہوا۔ آب۔ خاک

وغیرہ بنتے ہیں اور یہہ دونوں چیزیں مخلوق ہیں۔ اگر مخلوق نہ ہوتیں تو بالذات قایم و دایم ہوتیں۔ اور بلحاظ قیامِ ذات خداوندی کے مقابل اور برابر ہوتیں اور بحالتِ مساوات برابر درجہ رکھنے والے خدا کے احکام کا ماننا ہرگز ہرگز ظاہر نہ ہوتا۔ اور کوئی ضرورت پڑتی۔ کیونکہ ہر ضرورت کے پورا کرنے میں اپنی ہی ذات کافی ہو سکتی تھی۔ اور خدا کے احکام نہ ماننے سے ان کی ذات میں کوئی خلل بھی واقع نہ ہوتا۔ دونوں میں برابر کی لڑائی ٹھنی رہتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہی۔ اور ہیولی و صورت جسمیہ دونوں حکم خداوندی کے اس قدر تابع نظر آتے ہیں کہ وہ قادر مطلق ان ہی دونوں سے طرح طرح کے عجائبات رنگارنگ مخلوقاتِ خلق فرماتا ہے ان ہی دونوں کی آمیزش سے کہیں جمادات بنتی ہی۔ کہیں نباتات۔ اور کہیں حیوانات۔ کوئی ساکن ہی کوئی متحرک۔ غور کیجیے کرہ ماہتاب بلحاظ مزاج کے سرد اور مادّی ہونے کے ثقیل ہی اور ثقیل یعنی بھاری کو ساکن ہونا چاہیے۔ مگر نہیں ہمیشہ حرکت میں رہتا ہی۔ اور بمقابلہ سورج کے سریع السیر ہے۔ حالانکہ سورج گرم مزاج رکھتا ہی۔ اور گرم کو سرد کے مقابلہ میں سریع السیر ہونا چاہیے۔ مگر ایسا نہیں ہی۔ پھر مادّے کی ذاتی صفات کو بدل دینے والا کون ہی۔ کیونکہ جو چیز بالذات قائم ہے۔ بقول سوامی جی (جیساکہ صفحہ ۵۵ سطر ۲۳ و ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ صفت اُس کو کہتے ہیں۔ کہ جو درویہ (جوہر) کے سہارے رہے۔ اور کسی صفت کو اختیار نہ کرے آمیزش اور تقسیم کا باعث نہ ہو۔ بالذات ہو یعنی دوسرے کے سہارے نہ ہو۔ ویشیشک درشن ادھیائے ۲۔ آہنک ۲ سوتر ۱۶) اُس کی صفات بھی بالذات قائم ہیں۔ پھر ذات کیوں کر تبدیل ہو سکتی ہی۔ اور جب ذات تبدیل ہو گئی۔ تو عرض کہیں لگے ذات نہ رہے گی۔ ایسے ہی مخلوقات الٰہی کو اگر بغور دیکھا جائے۔ تو حیرت انگیز تعجب خیز قدرت کے نظارے موجود ہیں

عناصر کے مرکب ہونے کی ایک اور دلیل

چونکہ ہم نے مثالاً آتش کو لکھا ہی۔ اس لئے اُسی کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہی اور اُس کی

مرکب ہونے کی ایک اور دلیل نکلتے ہیں۔ مزاج آگ کا گرم و خشک ہے۔ اور مزاج اُس کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے ملنے سے پیدا ہو۔ مزاج کے لغوی معنی بھی یہی ہوتے ہیں۔ کہ دو چیزوں کے ملنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہی۔ اُس کو مزاج کہتے ہیں۔ اور جب تک کوئی چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ نہ ملے تب تک وہ کوئی کیفیت گرم ہو یا سرد پیدا نہیں کر سکتی۔ لہذا آگ ہو یا ہوا یا پانی یا خاک سب اپنا اپنا علیحدہ مزاج رکھتے ہیں۔ مثلاً آگ گرم و خشک ہی۔ ہوا گرم و تر۔ پانی سرد و تر۔ خاک سرد و خشک اور یہہ جملہ کیفیتین گرمی۔ سردی۔ تری۔ خشکی کی بلا امتزاج دو چیزوں کے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس صورت میں کہا جائیگا۔ کہ یہہ عناصر اربعہ جن کو سوامی جی سبب اولیٰ یا جوہر قایم بالذات کہتے ہیں۔ مرکب ہیں مفرد نہیں اور مرکب شے اپنی ذات سے قایم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے کہ وہ دوسری چیز کے ملنے سے بنتی ہی اور یہہ امر مسلّمہ ہی۔ کہ جو شے بالذات قائم ہو وہ مفرد ہوتی ہی۔ اور حال یہہ ہی۔ کہ سوامی جی کے مقرر کردہ تمام جوہر یا عناصر مرکب ثابت ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہہ نکلتا ہی کہ یہہ عناصر علّت اولےٰ نہیں ہو سکتے۔

کیا ہمارا ذہنی گھڑا ہوا علم متعلق قدرت کے خاص بھیدوں کو بتلا سکتا ہی۔ اگر کوئی صاحب یہہ مثال پیش کریں کہ بغیر سورج کے نکلے ہوئے دن نہیں ہوتا۔ گویا سورج علت ہے۔ اور دن معلول ہم بھی اس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہہ بھی کہنا چاہتے ہیں۔ کہ سورج جو دن کی علّت ہی۔ وہ مخلوق ہی۔ اسیطرح خلقت کی علّت ہیولیٰ اور صورت جسمیہ ہیں اور یہہ دونوں مخلوق ہونے کی وجہ سے عارضی ہیں۔ مگر یہہ عرض ہمارے مفروضات ذہنی میں بالذات فرض کیا جاتا ہی۔ اور اسی صورت جسمیہ کو مفروضہ جوہر مان کر بالذات قائم ہونا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے سے مفرد اور مرکب میں تمیز باقی نہیں رہےگی اس لئے مفروضہ مفرو ماننا پڑیگا۔

تمام علوم کا مفروضہ ہونا

مثلاً علم مساحت کا مدار ذہنی نقطہ پر ہے۔ اگر یہہ نقطہ موہوم قایم نہ کیا جائے۔ تو

علم مساحت غائب ہو جاتا ہی۔ مگر نظام عالم میں کوئی فرق یا خرابی واقع نہیں ہوتی اسی طرح مفروضہ طب عناصر اربعہ۔ مفروضہ جزو و کل جزلا یتجزیٰ۔ مفروضہ علم ہندسہ عدد واحد یعنی ایک مفروضہ عقول عشرہ عقل اوّل۔ مفروضہ سوامی دیانند سرسوتی پرکرتی علت اولےٰ۔ اگر ہم اس علت مادی مفروضہ سوامی جی کو مفرد حقیقی اور قایم بالذات تسلیم نہ کریں۔ تو منطق کی مشینیں اور فلسفہ کا انجن تو ضرور بگڑ جاتا ہے۔ مگر نظام عالم نہیں بگڑتا نہ کوئی اور قباحت لازم آتی ہی۔ البتہ مفرد حقیقی اور قایم بالذات مان لینے سے خداوند حقیقی۔ واحد یگانہ۔ قادر مطلق۔ خالق کل کی قدرت میں بٹہ لگا جاتا ہی۔ اور کاملیت میں زبردست نقص واقع ہوتا ہے۔ صاحبان انصاف غور فرمائیں۔ کہ ان دونوں میں کون سا مسلک بہتر ہے۔ آیا ذات خداوندی میں بٹہ لگانا یا اُس کو کامل جاننا۔ ہمارے خیال میں کوئی عقلمند سلیم الذہن صاحب فہم و ادراک ذات الٰہی میں (بشرطیکہ وہ خدا کو مانتا بھی ہو) نقص کو پسند نہیں کرسکتا۔ علوم مفروضہ پر قدرت الٰہی کو محدود کردینا خدائی لا محدود صفت کو خاک میں ملائے دیتا ہے۔

غرض ان تمام دلائل سے یہہ ہے۔ کہ علت و معلول کی بحث سے جو نتیجہ نکلتا ہی۔ وہ مفروضہ ذہنی ہی قدرت الٰہی کے خاص بھیدوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا نہ یہہ نتائج اسرار قدرت کے لئے دال ہوسکتے ہیں۔ قطعہ از سید محمد اختر صاحب اختر موسوی

منطقی علت و معلول کا بھانڈا پھوٹا ٭ شکر ہے آریہ ہتھ پھیر سے عالم چھوٹا
سارے دعوےٰ بھی غلط دین کی بنیاد غلط ٭ اب تو مانوگے یہہ قانون ہی بالکل جھوٹا

علم منطق سے اسرار قدرت کا پتہ نہیں چل سکتا

عبارت متن صفحہ ۵۹ سطر الغایتہ ۴ از باب سویم

معلول سے خاک وغیرہ اشیاء اور اُن کے اوصاف تشکل۔ ذائقہ۔ بو

اور لمس یہہ سب جوہروں کے عارضی ہونے سے عارضی ہیں - اس لئے خاک وغیرہ غیر فانی جوہروں میں جو بو وغیرہ صفات ہیں وہ دائمی ہیں (ویشیشک درشن ادھیائے ۷ - آہنک ۱ - سوتر ۲ - ۳)

جواب - اصلی لفظی ترجمہ ان سوتروں کا یہہ ہوتا ہے - اس کو ہم اس لئے لکھتے ہیں - تاکہ عام لوگ ان قضایائے منطقی کو اچھی طرح سمجھہ سکیں - اصل لفظی ترجمہ (پرتھوی وغیرہ کے روپ - رس - گندھ - اور سپرش جوہروں کے حادث (عارضی) ہونے کی وجہ سے حادث (عارضی) ہیں - اس سے ابدی جوہروں میں ابدیت بھی بیان ہو گئی) یعنی خاک وغیرہ اشیاء کی بہ حالتِ معلول اور ان میں جو شکل - ذائقہ - بو اور لامسہ کی صفتیں ہیں - بوجہ ان جوہروں کے عارضی ہونے کے یہہ سب صفتیں عارضی ہیں اس سے یہہ نتیجہ بھی نکلتا ہے - کہ بحالت علت خاک وغیرہ جوہروں کی بُو وغیرہ صفتیں بھی ابدی ہیں - ہم ان قضایائے منطقی کو ذیل میں لکھکر نتیجہ نکالتے ہیں - تو تناقض کے سوا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا صاحبانِ علم غور کریں -

(۱) ثبوت عارضی	کبریٰ کل جوہر عارضی ہیں صغریٰ خاک جوہر ہے نتیجہ خاک عارضی ہے	متعلق نمبر ۱	جوہر عارضی کی صفت بھی عارضی ہوتی ہے خاک جوہر عارضی ہے اور اُسمیں بو کی صفت ہے خاک میں بو کی صفت عارضی ہے

یہہ دونوں - قضیئے جوہر اور صفت کو عارضی ثابت کرتے ہیں - اب دائمی ہونے کے قضیئے لکھتے ہیں -

(۲) ثبوت دائمی	کبریٰ کل جوہر دائمی ہیں صغریٰ خاک جوہر ہے نتیجہ خاک دائمی ہے	متعلق نمبر ۲	جوہر دائمی کی صفت بھی دائمی ہوتی ہے خاک جوہر دائمی ہے اور اُسمیں بُو کی صفت ہے خاک میں بُو کی صفت دائمی ہے

یہہ قضیئے جوہر اور صفت کو دائمی ثابت کرتے ہیں - پہلا قضیہ موجبہ کلیہ ہے - اور دوسرا قضیہ اُس کی نقیض ہیں سالبہ کلیہ واقع ہوتا ہے - قضیہ کل جوہر عارضی ہیں - نقیض - کل جوہر

دائمی ہیں۔ نہ یہہ صحیح نہ وہ حقیقت یہہ ہے۔ کہ منطق کی بنا صرف ذہن اور تصور پر ہے جس کو خیال کہتے ہیں۔ جو کچھ انسان حواس ظاہری یا باطنی کے ذریعہ سے احساس و ادراک کرتا ہے۔ اُس کی تصدیق یا تکذیب منطق کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ جائے غور ہے کہ خیال اور تصور سے قدرت الٰہی کے اسرار معلوم ہو سکتے ہیں؟ یا حواس ظاہری اُس کی کنہ کو محسوس کر سکتے ہیں؟ محسوسات و معقولات میں انسان اکثر سخت غلطی کرتا ہے۔

مشاہدہ کی غلطی

مثلاً حواس خمسہ ظاہری میں سب سے زیادہ معتبر آنکھہ سے دیکھنا ہے اور آنکھہ کی یہہ کیفیت ہے۔ کہ اکثر غلطی کرتی ہے۔ چنانچہ بنیتی کے دور میں یعنی ایک لاٹھی میں دونوں جانب دو کپڑے کی گیندیں باندہ کر اُن کو جلاتے ہیں۔ اور پھر اُس لاٹھی کو ہاتھ میں لے کر چکر پھراتے ہیں۔ اسیکو عام لوگ بنیتی کہتے ہیں۔ اس میں حالانکہ صرف دو طرف جلتی ہوئی گیندیں ہوتی ہیں مگر دور میں لانے کی وجہ سے آگ کا ایک دائرہ بنا ہوا دکھائی دیتا ہے کسی جگہ اُس آگ کا دائرہ ٹوٹا ہوا نظر نہیں آتا یہی حال معقولات کا ہے۔ مثلاً یہہ خیال کر لینا کہ خاک جوہر ہے اور ابدی ہے۔ حالانکہ خاک مرکب ہونے کی وجہ سے جوہر ابدی نہیں ہو سکتی۔ یہہ ہے کل کائنات علم منطق کی اور سوامی جی کی واقفیت کی جو منطقی قضایا پر مدار قدرت سمجھتے ہیں۔ طرہ یہہ ہے کہ نہ تناسب کی خبر نہ تناقض کی پروا۔ جو ویشیشک میں دیکھا حکم خدا سمجھکر درج کر دیا۔ قدرت کے احکام سے اور ویشیشک سے کیا تعلق۔

علل اربعہ کا بیان

عبارت متن صفحہ ۵۹۔ سطر ۶ و ۷ از باب سویم

جو موجود ہو اور جس کی علت غائی کوئی بھی نہ ہو۔ وہ دائمی ہے۔ یعنی

جو علت والی معلول صفات ہیں وہ عارضی کہلاتی ہیں۔ (ویشیشک درشن ادھیائے ۴۔ آہنک ۱۔ سوترا)

جواب۔ موجودات عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جس کی علت غائی کچھ نہو۔ سوامی جی مادہ کو دائمی مانتے ہیں۔ جس میں آگ۔ پانی وغیرہ ہیں۔ علت غائی تو درکنار ان کی تو علت مادی تک ثابت ہے۔ جیساکہ ہم بحث علت و معلول میں پیشتر لکھ چکے ہیں۔ یعنی آگ وغیرہ پرکرتی کی علت مادی ہیولیٰ اور صورتِ جسمیہ ہے۔ اس سے ہمارا یہہ مقصد نہیں کہ ہم دور و تسلسل کو لازم گردانیں بلکہ ہیولیٰ اور صورتِ جسمیہ پر یہہ دور ختم ہو جاتا ہی۔ اور اُس کی علت حکم خلاق کامل پر موقوف ہی۔

علت غائی علل اربعہ میں سے ایک علت خارجی ہی۔ اور ہر وجود ممکن الوجود (جو اس عالم امکان یعنی دنیا میں موجود ہے) کے واسطے علل اربعہ کی ضرورت ہی جس میں سے دو داخلی اور دو خارجی ہوتی ہیں۔ اگر داخل بالقوی ہو تو اُس کو علت مادی کہتے ہیں۔ جیساکہ ہیولیٰ و صورت جسمیہ مادی علت ہی۔ نارو باد و آب و خاک کی اور اگر داخل بالفعل ہی۔ تو اُس کو علت صوری کہتے ہیں۔ جیساکہ آگ وغیرہ کی صورت اور اگر علت خارجی میں سے علتِ ایجادی ہو۔ تو اُس کو علتِ فاعلی کہیں گے۔ چنانچہ واجب الوجود علت فاعلی ہی۔ اگر یہہ دیکھا جائے کہ ایجاد شے کس لئے ہی۔ تو اس کو علت غائی کہتے ہیں۔ چنانچہ ہیولیٰ اور صورت جسمیہ کی پیدائش برائے عناصر اربعہ اور عناصر اربعہ کی پیدائش برائے موالید اربعہ۔ سماجی صاحبان کو سمجھہ لینا چاہیئے۔ کہ سوامی جی کی مقررہ و مفروضہ انادی پرکرتی جس کی علت مادی تک موجود ہی۔ کس حد تک اناوی اور ازلی ہو سکتی ہی۔ رہی علت غائی۔ ہر شے جس کا دنیا میں وجود پایا جاتا ہی اُس کی علت غائی بھی ضرور ہے۔

لازم و ملزومیت کا بیان

عبارت متن صفحہ ۵۹ سطر ۴ الغایت ۲۴ از باب سویم

اب ویاپتی (کا بیان کیا جاتا ہے۔) جو قابلِ ثبوت اور ثبوت کنندہ یعنی جسے ثابت کرنا ہو اور جس سے ثابت کیا جاوے ان دونوں یا صرف ایک ثبوت کنندہ کے یقینی خاصہ کا ایک ساتھ ہونے ہی کو دیاپتی کہتے ہیں جس طرح دہوئیں اور آگ کا ایک ساتھ ہونا (سانکھیہ پروچن ادھیائے ۵ سوتر ۲۹) ویاپتی والا جو دہواں ہے۔ اس کی (یعنی آگ کی) ذاتی طاقت سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی جب دوسری جگہ میں دور تک دہوان جاتا ہے۔ تب بغیر آگ کے جلائے بھی خودبخود دہواں رہتا ہے۔ اسیکا نام ویاپتی ہے یعنی آگ کی منتشر کرنے والی طاقت سے پانی وغیرہ اشیاء دہوان بن کر ظاہر ہوتی ہیں (ایضاً سوتر ۳۱) جس طرح عناصر وغیرہ کی ویاپکتا (موجودگی) عقل وغیرہ میں ویاپتا (باعث موجودگی) کے تعلق کا نام ویاپتی ہے۔ جس طرح طاقت ادھیہ اور طاقت والے ادھار روپ کا تعلق ہے (ایضاً سوتر ۳۲)

جواب - ہمارے خیال میں دیاپتی لازم وملزوم کو کہتے ہیں۔ اس دلیل سے بھی سوامی جی کا وہی مطلب ہے۔ کہ موجوداتِ عالم کو دیکھکر سبب اولی مادی پر یقین کر لینا چاہیئے۔ جس طرح دہوئیں کو دیکھکر آگ کا یقین ہوتا ہے۔ اُسی طرح معلول خلقت کے لئے علت مادی ضروری ہے ہم بھی اس سے انکار نہیں کرتے۔ مگر اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ آگ اور دہوئیں کے واسطے آگ جلانے والے کی سب سے زیادہ اشد ضرورت ہے۔ اب یہہ دیکھنا چاہیئے کہ آگ کا جلانے والا حقیقی ہے یا غیر حقیقی۔ اگر غیر حقیقی ہے تو بلا اسباب کے آگ جلا نہیں سکتا۔ اور اگر حقیقی ہے تو اُس کو کسی سبب کی ضرورت نہیں غیر حقیقی انسان ہے کہ بغیر اسباب کے کچھہ کر ہی نہیں سکتا اور حقیقی ذات الٰہی ہے۔ جو خالق اسباب ہے۔ اُس کی ذات کے واسطے کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جو حقیقی اور بالذات قائم ہو اُس کی ہر ایک صفت بھی بالذات قائم ہونی چاہئے

اور صفت پر قیام بالذات کی تعریف تب ہی صادق آسکتی ہی۔ کہ جب وہ اپنے کام میں کسی دوسری شے کی محتاج نہ ہو۔ مثلاً خالق کی صفت خلق کرنا ہی۔ خلق کرنا تب ہی بالذات ہو سکتا ہے کہ وہ بلا کسی سبب کے کسی شے کو پیدا کر سکے۔ ورنہ محتاج ثابت ہوگی۔ کیونکہ جب تک دوسری شے نہو تب تک پیدائش نہیں ہو سکتی۔ اور اُس میں قباحت لازم آتی ہی۔ اس لئے ان مفروضات ذہنی میں ایسا یقین کرنا چاہیئے۔ جس میں کوئی قباحت واقع نہو۔ اور ایسا یقین کرنے کے لئے علت و معلول کی بحث میں جو ہم نے تحریر کیا ہے۔ اُس کو دیکھنا چاہیئے۔

شاستروں کی غلط بیانی

عبارت متن صفحہ ۵۹ سطر ۲۵ از باب سویم

اس قسم کے شاستر کے حوالوں سے امتحان کرکے پڑھیں اور پڑھاویں۔ ورنہ طلبہ پر راستی کی حقیقت کبھی نہیں کُھل سکتی۔

جواب۔ اگر اسی قسم کی شاستر پڑھائی جاویں گی۔ جن میں سوائے غلط بیانی کے کوئی اصول بھی سچا درج نہیں تو انشاء اللہ تعالےٰ راستی کی حقیقت تو حقیقت کیفیت بھی نہ معلوم ہو سکے گی۔ اور سوامی جی اس شعر کے مصداق ہوں گے۔ شعر

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

مثلاً۔ نیائے شاستر۔ ویشیشک شاستر۔ سانکھیہ پورجن شاستر وغیرہ جملہ شاستروں میں علوم مفروضہ کا بیان ہی۔ چنانچہ یہ تینوں شاستر علم منطق سے متعلق ہیں۔ مگر ذہنی قیاسات اور فرضی تصورات۔ من گھڑت خیالات کو اتنی وسعت دی ہی کہ احکام قدرت پر نکتہ چینی قانون فطرت میں دخل اور قواعد الٰہیہ پر حکم لگاتے ہیں۔ جس کی نسبت ہم اکثر لکھہ چکے ہیں۔ کہ علوم دنیاوی کی بنار پر مفروضہ ہونے کی وجہ سے اسرار قدرت کو سمجھہ لینے کا دعویٰ

کرنا جہالت اور نادانی کی دلیل اور جھوٹ کا پورا ثبوت ہی۔ اِس لحاظ سے جملہ شاستر غلط بیانی سے پُر اور سچّائی سے خالی نظر آتے ہیں۔ اگر ان شاستروں کو دیکھا جائے تو ہمارا دعوے بجائے خود ایک پُر زور دلیل بن جائیگا۔ کیوں کہ جو کتاب صداقت سے خالی ہو وہ جھوٹی ہی۔ اور ان شاستروں میں بلوجود مفروضہ علوم ہونے کے اپنے علم کو فرضی نہیں کہا گیا۔ بلکہ علم حقیقی مانا ہے جو سراسر جھوٹ اور غلط ہی۔ چونکہ ہم کو یہاں صرف ستیارتھ پرکاش کی تردید لکھنا منظور ہے اس لئے ان شاستروں سے قطع نظر کرتے ہیں۔ ورنہ ان کا حرف حرف مٹانے کے قابل ورق ورق پرزہ اُڑانے کے لایق یعنی تردید لکھدینے کا مستحق نظر آتا ہی۔

عبارت متن صفحہ ۵۹ سطر ۲۹ از باب سویم

تعریف مثلاً خاک بُو والی ہی۔ ایسی تعریف اور پرتیکش وغیرہ پرمانوں سے سب سچ جھوٹ اور سب اشیار کا تصفیہ ہو جاتا ہی۔ اس کے بغیر کچھہ بھی نہیں ہوتا

جواب۔ خاک کی نسبت بُو کی صفت کا ہونا بالکل غلط ہی۔ قبل ازیں ہم اس کی تردید مفصّل لکھہ چکے ہیں۔ اُسی پر تصفیہ کر لیا جائے اور سوامی جی کے سچ اور جھوٹ کو پرکھ لیا جاوے فلسفہ جدید کی روشنی میں آریہ صاحبان ثابت کریں کہ خاک میں بُو کی صفت کیونکر ہو سکتی ہی۔

تکلیف کے بعد راحت کا احساس ہوتا ہی

عبارت متن صفحہ ۶۲ سطر ۳ لغایت ۵ از باب سویم

اور جو وید کو پڑھتا اور اُس کا مطلب بخوبی جانتا ہی۔ وہی راحت کامل کو حاصل کر کے وفات کے بعد گیان علم حقیقی کے ذریعہ گناہوں سے پاک ہو کر اور نیک اعمال کی طاقت پا کر راحتِ کل حاصل کرتا ہی۔ از نرکت

جواب۔ وید جیسی کتاب میں تو گویا یہہ کلیہ درج ہی نہ تھا۔ اس لئے سوامی جی نے نرکت سے یہہ منتر اخذ کیا ہے۔ جس کا کوئی ڈھچر ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ اوّل تو وید ایسی کتاب ہی نہیں جس کے پڑھنے یا گننے سے راحت کامل حاصل ہو سکے۔ علاوہ ازیں ایک مرتبہ راحت کامل حاصل کرنے کے بعد مکرر حصولِ راحت کیا معنی رکھتا ہے۔ ہر تکلیف کے بعد راحت کا احساس ہوتا ہے۔ جب ایک مرتبہ راحت کامل حاصل ہو چکی۔ تو پھر اس کو ایسی کونسی تکلیف پہونچی جس سے وہ پھر راحت کو محسوس کر سکے۔ اور بعد وفات انسان کو اعمال نیک کرنے سے کیا تعلق۔ کیونکہ اعمال کا تعلق خواہ وہ نیک ہوں یا بد زندگی ہی سے ہوتا ہے۔ گیان یا علم معرفت جس کو علم حقیقی کہا گیا ہے۔ گناہوں سے پاک کرنے کا ذریعہ تب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ جب وہ علم زندگی میں حاصل کر لیا گیا ہو۔ بعد وفات کوئی علم یا عمدگی نہ حاصل ہو سکتی نہ انسان حاصل کر سکتا۔

جاہلوں کیلئے علم کا جلوہ نہیں ہوتا

عبارت متن صفحہ ۶۲ سطر ۷ لغایت ۱۱ ازباب سویم

جو بے علم ہیں وہ سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ بولتے ہوئے نہیں بولتے یعنی بے علم لوگ اس علم کے بھید کو نہیں جان سکتے۔ جاہلو کے لئے علم کا جلوہ نہیں۔ (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۷۱ منتر ۴)

جواب۔ سب سے پہلے ہمیں سماجی صاحبان کو یہہ بتانا ہے۔ کہ کل انسان خواہ وہ باعلم ہوں۔ یا بے علم بلحاظ نوعیت ایک ہیں پھر یہہ کیا معنی کہ کوئی آدمی علم کے بھید کو نہ جان سکے۔ حالانکہ ہر شخص تھوڑا یا بہت ان علوم دنیاوی کا عالم ہے۔ مثلاً کوئی شخص دنیا بھر کے جغرافیئے سے واقف۔ سارے جہان کی تاریخ سے ماہر۔ بڑا ریاضی داں اور فلسفہ بھی خوب جانتا ہے۔ غرض تمام علوم کا عالم ہے اور ایک شخص صرف اپنے گھر گھر کا جغرافیہ اپنے اب وجد کی تاریخ۔ دس بیس تک گنتی۔ کسی ایک آدہ چیز کی ماہیت ہی جانتا ہے۔ یہہ تھوڑا تھوڑا ماہر ہے۔ اب گویا دونوں

میں جزویت اور کلیت کا فرق رہا۔ کلیت کی یہہ کیفیت ہی۔ کہ اگر دیکھا جائے تو کوئی شخص
دنیا میں ایسا نہیں نکل سکتا۔ جو تمام علوم میں کاملیت رکھتا ہو۔ لہذا سب کے سب اس معاملے
میں ناقص ہی نظر آتے ہیں۔ ہاں کمی بیشی ضرور ہے جس قدر بیشی ہی اتنی ہی معلومات زیادہ ہی
جتنی کمی ہی اُسیقدر کم ہی۔ خیر ہمیں اِس سے بحث نہیں۔ ہماری اصطلاح میں بھی وہ شخص
بے علم ہی۔ جس نے کچھ پڑھا نہ ہو۔ سنئے۔ علم دو طرح کے ہوتے ہیں ایک علم حقیقی اور دوسرا علم
غیر حقیقی و مفروضہ یعنی ہمارا بنایا ہوا۔ علم حقیقی وہ علم ہی جس سے سوائے ذات الٰہی کے اور کوئی
واقف نہو۔ البتہ جس قدر خدا چاہے۔ اُتنا ہی اپنے بندوں کو سکہائے۔ جیسا کہ انبیا علیہم السلام
کو بتلایا گیا اور وہ علم سلف سے آج تک اتنا ہی رہا جتنا کہ تعلیم کیا گیا تھا۔ کوئی بیشی نہ ہو سکی
اور کیونکر ہو سکتی ہی جب تک خدا نہ چاہے۔ رہا ہمارا بنایا ہوا علم غیر حقیقی اس میں تمام علوم
دنیاوی شامل ہیں اس میں روز افزوں ترقی بھی ہوتی ہی۔ اور تنزل بھی۔

قدرت کے بھید دنیاوی علوم سے معلوم نہیں ہوتے

اب غور کیجئے۔ کہ جب انسان بے علم رہ کر علم غیر حقیقی کے بھیدوں کو نہیں جان سکتا۔ تو
پھر وہ آدمی جو علم حقیقی سے قطعی ناآشنا ہو قدرت کے خاص بھیدوں کو کیونکر جان سکتا ہے
علم حقیقی کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ علوم دنیاوی پڑھا ہوا شخص ہی اُس سے بہرہ یاب
ہو سکے۔ بلکہ علم حقیقی اگر حقیقت ہے۔ تو یہہ غیر حقیقت وہ ذات ہی۔ تو یہہ غرض علم حقیقی کا
ایک لفظ جاننے والا تمام دنیاوی عالموں سے افضل اُس کا نکتہ رس تمام علوم مفروضہ
کا عالم کامل بغیر پڑھے گنے ہو جاتا ہی۔ مگر وہ کون ہوتا ہی۔ وہ ہوتا ہی۔ جس کو خداوند تعالیٰ
علم حقیقی سے بہرہ ور کرتا ہی۔ وہ ہوتا ہی جو خلقت کی ہدایت کے واسطے مخصوص کر کے بھیجا جائے
اور منجانب اللہ مقرر کیا گیا ہو۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور مخصوص حضرت محمد مصطفےٰ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ تمام دنیا کے لوگوں نے تحقیق کر لیا ہی۔ کہ آنحضرت اُمّی لقب نے دنیاوی

علوم کو کسی اوستاد سے نہیں پڑھا۔ مگر تمام دنیا کے علماء اور فضلاء سے افضل تھے۔ یہہ علم وفضل یہ اعجاز اُسی علم حقیقی کا تھا۔ جس کا اوستاد عالم علم حقیقی ہوتا ہے۔

غرض اس تمام بیان سے یہ ہے۔ کہ اگر انسان یہ چاہے۔ کہ میں قدرت کے وہ اسرار دریافت کرلوں۔ جن پر خدائی کا مدار ہے۔ تو ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ علم حقیقی ہی۔ البتہ جو کچھہ انبیاء کے ذریعہ سے بتلایا گیا۔ اُسیکو جان سکتا ہے اور بس۔ جب ہم اپنی تمام عمر میں علوم غیر حقیقی کو فی الجملہ حاصل ودریافت نہیں کرسکتے۔ تو علم حقیقی تو بڑی چیز ہے۔

دنیا میں ہر تحقیق ناقص رہتی ہی

اگر موجودات عالم میں سے کسی ایک شے کی حقیقت دریافت کرنا چاہیں تو غالباً اُسی کی تحقیق میں ہماری تمام عمر صرف ہوجائے۔ پھر بھی اس کی کامل حقیقت دریافت نہ ہوسکے۔ (چنانچہ اکثر علماء مغرب کا قول ہے۔ کہ انسانی تحقیق تحقیق نہیں۔ آج اور ہے کل کچھہ اور متقدمین کی تحقیقات کچھہ اور بتاتی ہے۔ متاخرین کی اور ثابت کرتی ہی۔ اس لئے دنیا سے لفظ تحقیق کو اُڑا دینا چاہیئے) یہہ حال ہی ہمارے ناقص علوم کا۔ اس پر سوامی جی کا یہ دعوٰی کہ علت ومعلول کی بحث کرکے دنیا کی پیدائش کا راز اور قانونِ قدرت کے بھید کو معلوم کرلیا۔ کس قدر غلط اور واہیات ولچر ہے۔ قدرت الٰہی کو قیاس پر مبنی جاننا ہماری رائے میں بے علمی کی اعلٰی دلیل ہے۔ مخصوص وہ شخص جو حواس خمسہ باطنی کی پوری تشریح بھی نہ کرسکتا ہو۔ وہ قیاس ناقص کو کیا صحیح بنا سکتا ہے۔ کوئی سوامی جی صاحب سے یہ پوچھتا کہ ہمیں درخت نیب (جو خدا کی ادنیٰ مخلوقات میں ہی) کی ماہیت وحقیقت ومزاج اور افعال وخواص کو پورے طور پر بتا دیجئے

تو یہ ضرور تھا۔ کہ مفروضہ جوابوں کے سوائے حقیقی جواب کچھ بھی نہ ملتا۔ اور اُن جوابوں کی بھی ہزار تردیدیں اور تاویلیں موجود ہوتیں۔ پھر ایسی حالت میں جب کہ انسانی علوم اس قدر محدود ہیں۔ تو کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان محدود علوم کے ذریعہ سے لامحدود قدرت کا پورا پورا علم حاصل ہو جائے۔ ہم اپنے مطلب سے بہت دُور نکل گئے۔ کیا لکھنا تھا اور کیا لکھ گئے۔ سوامی جی اور اُن کے وید کو یہ تو تسلیم ہے۔ کہ جاہلوں کے لئے علم کا جلوہ نہیں۔ اور بے علم لوگ علم کے بھید کو نہیں جان سکتے۔ مگر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا۔ کہ سُنتے ہوئے نہ سُننا۔ اور دیکھتے ہوئے نہ دیکھنا۔ بولتے ہوئے نہ بولنا کیا معنی رکھتا ہے۔ ظاہرا مطلب تو اس کا یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ علم حاصل کر لینے کے بعد بھی اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے لئے علم کا جلوہ نہیں اور وہ بے علم ہی شمار ہوتے ہیں۔ خواہ کیسے ہی عالم ہوں۔ افسوس سوامی جی یہ نہ سمجھے۔ کہ تعصب ایک جہالت ہے۔ اور جہالت کبھی علم حقیقی سے بہرہ ور نہیں ہونے دیتی جتنی کہ جاہل اور متعصب کے کان۔ آنکھ۔ زبان سب غفلت میں رہتے ہیں۔ اور اُن میں تصدیق و تکذیب کی قوت ہی نہیں رہتی نہ قوت واہمہ ان کی مدد کرتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ قدرت نے جاہلوں اور متعصبوں کے واسطے جلوۂ علم رکھا ہی نہیں۔ مگر سوامی جی نے اس مضمون کو اولٹ پلٹ کر کے بیان کیا ہے۔ اس کے مقابل میں ہم کلام الٰہی کی ایک آیت پیش کرتے ہیں۔ جس پر سوامی جی ازراہِ تعصب معترض ہوتے ہیں۔ غضب ہے۔ کہ جس کے خود یا اُن کا وید قائل ہے۔ اُسی مضمون پر اعتراض کریں۔ کیا یہ تعصب اور جہالت نہیں ہے؟

سوامی جی اور قرآن مجید پر اعتراض

صفحہ ۴۲۵ باب چہاردہم ستیارتھ پرکاش۔ سورہ بقر۔ ختم اللہ علیٰ قلوبہم وعلی سمعہم وعلیٰ ابصارہم غشاوۃ۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو شخص متقی یعنی خدا سے ڈرنے والے اور پرہیز گار نہیں اور غیب (ذات الٰہی) پر ایمان نہیں لاتے اور نماز نہیں پڑھتے اور خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ نہیں کرتے۔ یعنی مستحقین کو نہیں دیتے۔ اور کلام الٰہی کو سچ نہیں جانتے اور یوم جزا کے قائل نہیں۔ اور راہ نجات وہدایت سے علیحدہ رہتے ہیں۔ اور علم الٰہی میں ایمان لانے والے نہیں اور نہ علم حقیقی کے حصول میں کوشش کرتے گویا قدرت نے اُن کے ہیے اور کانوں پر مہر لگادی اور آنکھوں پر پردہ غفلت ڈالدیا ہے۔ سماجی صاحبان غور فرمائیں۔ کہ اس میں ایسی کونسی بات ہے۔ جس پر اعتراض وارد ہوسکے۔ مگر نہیں سوامی جی کا تعصب بھرا دل کب چین سے رہ سکتا تھا۔ جب تک اپنی جہالت کی دلیل بیان نہ کرتا۔ دیکھئے تعلیم وید اور تعلیم الٰہی میں کس قدر فرق ہے۔

پرمیشور میں کوئی چیز قائم نہیں رہتی

عبارت متن صفحہ ۶۲ سطر ۴ الغایت ۱۷ — از باب سویم

جس حاضر ناظر غیر فانی سب سے افضل پرمیشور میں سب علماء اور زمین وآفتاب سب کرّے قائم ہیں اور جس میں سب ویدوں کا اصل مدعا ہے۔ اُس برہم کو جو نہیں جانتا۔ وہ رگوید وغیرہ سے کیا خوشی حاصل کر سکتا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ جو ویدوں

کو پڑھ کر دھرماتما یوگی ہو کر۔ اُس برہم کو جانتے ہیں۔ وہ سب پرمیشور میں قایم ہو کر مکتی (نجات) ہی کو جو اعلیٰ خوشی ہے حاصل کرتی ہیں۔ رگوید منڈل ۱ سوکت ۱۶۴

جواب۔ پرمیشور ایسی چیز نہیں ہے۔ جس میں کوئی قایم ہو سکے۔ بلکہ سوامی جی کو ایسا الزام پرمیشور کی نسبت نہ لگانا چاہیئے۔ کیوں کہ فضائے عالم اور وسعتِ عالم جس میں سب کرتے۔ آفتاب۔ زمین وغیرہ قایم ہیں۔ پرمیشور کے پیدا کردہ ہیں۔ نہ کہ پرمیشور میں قیام ہو سکتا ہو اگر وید کا یہی مدعا ہے۔ تو بالکل غلط ہے۔ کیا وید پرمیشور کو مبرا و منزا نہیں سمجھتا۔ گو اُس کی ذات محیطِ کل ہے مگر وہ نہ کسی میں کسی ذریعہ سے قایم ہے۔ نہ اُس میں کوئی قایم ہو سکتا ہے ذاتِ الٰہی ان عیوب سے مبرا ہے۔ ہاں یہ کہہ دینا بجا ہو سکتا ہے۔ کہ اس محیطِ کل کی قدرت کے ذریعہ سے سب قایم ہیں۔ اعد لفظ میں اور سے میں بڑا فرق ہے۔ جس کو سوامی جی یا ان کے مقلدین سمجھ سکتے ہیں۔

پہلے علم طب پڑھنا چاہیئے یا علم دین

عبارت متن صفحہ ۶۲ سطر ۱۹ و ۲۰   از باب سوم

اس طرح سب ویدوں کو پڑھ کر آیور وید (علم طبابت) یعنی چرک سشرت وغیرہ رشی منیوں کی کتب میں معہ کل طریق معالجہ پڑھیں پڑھائیں۔

جواب۔ اوّل تو یہ طریقہ تعلیم ہی غلط ہے۔ کیونکہ پہلے سوامی جی نے علم دین کو پڑھنا واجب رکھا۔ اور بعدہ علم طب کو اور یہی غلطی ہے۔ سب سے پہلے علم الابدان یعنی علم طبابت پڑھنا چاہیئے۔ تاکہ پڑھنے والے کو اپنی کیفیت

اور حقیقت سے بھی آگاہی ہو جائے۔ اور اپنی صحت کی معقول حفاظت کرتا ہوا علم دین پڑھ سکے۔ صحت کی حفاظت سب سے قبل اشد ضروری ہے۔ اگر صحت قائم نہ رہ سکے۔ تو کوئی علم کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے مقابل ہم اسلامی حدیث (العلم العلمان علم الابدان وعلم الادیان) پیش کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ دو علم انسان کو ضروری پڑھنے چاہئیں۔ اول علم ابدان جس کے ذریعہ سے اصول حفظِ صحت کو نگاہ رکھکر اپنی صحت کو قائم رکھ سکے۔ اور بعد اس کے علم دین تاکہ ہدایت کافی حاصل کر کے صراط مستقیم اختیار کرے۔ علاوہ ان تمام امورات کے سوامی دیانندجی خود علم طبابت سے ناواقف تھے۔ چنانچہ اکثر اُن کی تحریر سے ثابت ہو چکا ہے۔ مثلاً ہر دو وقت دھونی دینا۔ اور اس کے نقصانات پر نظر نہ ڈالنا۔ یا تمام عمر عالم تجرد میں گذار دینا اور ایسی ہی مقلدین کو ہدایت کرنا۔ اور اُس کے مُفید و مضر نتائج کو نگاہ نہ رکھنا۔ اور ایسے ہی اکثر مسائل جن کا ذکر ہم نے حسب موقع کر دیا ہے۔ جو علم طبابت کی ناواقفیت کی کافی دلیل ہیں۔ پھر ایسے شخص کی ہدایت کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ جو ہادی ہو کر خود نہ جانتا ہو۔

ناچنے گانے کی برائیاں معہ دلائل

عبارت متن صفحہ ۶۳ سطر الغایت ۵ از باب سویم

علم حکومت کو دو سال میں سیکھکر گاندھرب وید (علم موسیقی) جس کو گانے کا علم کہتے ہیں۔ سیکھے اس میں سر۔ راگ۔ راگنی سمے (وقت) تال۔ گرام۔ تان۔ باجا بجانا۔ ناچنا گانا وغیرہ اچھی طرح سیکھیں۔ لیکن زیادہ تر سام وید کا گانا بجانے سمیت

سیکھیں۔ اور نادر سنگھتا وغیرہ جو رشیوں کی بنائی ہوئی کتب
ہیں۔ ان کو پڑہیں۔ مگر بھڑوے۔ طوائف اور شہوت انگیز
بیراگیوں کے گدھے ہانکنے کی مانند فضول بکواس کبھی نہ کریں۔

جواب - یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ ہر تعلیم اپنے اثر سے متاثر ہونے والی ہوتی ہے خواہ وہ عمدگی رکھتی ہو یا نقص۔ گانے۔ بجانے کا مخصوص اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ شہوت ناقصہ کی جانب رجوع کرنا اور تمام افعال ناشائستہ مثل زنا۔ بدچلنی۔ عیاشی بدمعاشی (بری طرح روزی پیدا کرنا) شراب خواری۔ اور بہت کھیل تاش گنجفہ چوسر وغیرہ (جو مخرب اخلاق وخلاف تہذیب ہیں) کی جانب مائل کرتا ہے۔ رہا ناچنا وہ اس سے بھی زیادہ بدترین فعل ہے۔ ناچنے کا تقاضا عادتاً یہ ہوتا ہے۔ کہ ناچنے والا اپنے آپ کو دیکھنے والوں کی نظروں میں خوبصورت اور دلفریب ثابت کرے۔ اور یہ ایک فعل تانیثی ہے جو مرد کے مزاج کو مزاج اناث کی جانب مائل کرتا ہے۔ اور مردانگی شجاعت۔ دلیری۔ ہمت۔ استقلال وغیرہ وغیرہ اوصاف اخلاقی کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالتا ہے۔ ناچنے۔ گانے والے کو سوائے آہ ادہی کے سبق کے کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ افسوس سوامی جی یہ نہ سمجھے کہ اس مہذب زمانہ میں وید کے تا تک تھیا والے حکم کو کون بھلا آدمی مان سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی معقول شخص ایسا نہ ہوگا جو گانے ناچنے کو خلاف اخلاق نہ جانتا ہو۔ اور واقعی تمدن ومعاشرت پر اس کے اثرات برے پڑتے ہیں۔ اگر وید اور ویدی پرمیشور ایسے مقلد سوامی جی کو یہ عند یہ ناچنے گانے کو واجب اسی طرح رکھیں۔ جس طرح برہمچرج کو۔ جو کتاب اخلاقی برائیوں کی تعلیم دیتی ہو کیا وہ کلام الٰہی ہو سکتی ہے۔ اس کے مقابل میں ہم اسلام کا وہ مسئلہ پیش کرتے ہیں۔ جو صرف گانے کے متعلق ہے۔ (الغنا ۲ نشد من الزنا) یعنی گانا سننا یا خود گانا زنا کرنے سے

سخت گناہ ہے۔

وید ایشور کا کلام نہیں

عبارت متن صفحہ ۶۳ سطر ۲۷ و ۲۸ از باب سویم

کیوں کہ وید ایشور کا کلام ہونے سے منزہ از خطا (سوتہ پرمان)
خود بخود قابل تسلیم ہے۔

جواب۔ ایسا وید جس میں ناٹک تھیا کے احکام درج ہوں۔ ایسا وید جو زناکاری۔ بدچلنی۔ عیاشی۔ بدمعاشی کی جانب رغبت دلاتا ہو۔ ایسا وید جو تمام عمر برہمچرج کی قید لگا کر قطع نسل کا سبب ہو جائے۔ ایسا وید جو نیوگ کے بڑے مسائل سکھا کر آوارگی اور بدچلنی کی راہیں کشادہ کر دے کلام الٰہی ہو سکتا ہے۔ یا کوئی شخص صاحب عقل و فراست ایسی کتاب کو خطا سے پاک سمجھ کر خود بخود قابل تسلیم مان سکتا ہے۔

منوسمرتی دروغ آمیز ہونے کی وجہ سے قابل ترک ہے

عبارت متن صفحہ ۶۴ سطر ۱۱ الغایت ۱۲ و ۲۵ و ۲۶ از باب سویم

سمرتیوں میں منوسمرتی کے باہر سے ڈالے ہوئے شلوک اور دیگر سب سمرتیاں سب کتب تنتر پران سب اپ پران۔ تلسی داس کی بنائی ہوئی بھاشا کی رامائن رکمنی منگل وغیرہ اور سب بھاشا کی کتابیں یہ سب فرضی اور جھوٹی ہیں۔ ان کتب میں تھوڑی سچائی تو ہے۔ لیکن اس کے ساتھ بہت سا جھوٹ بھی ہے اس لئے جس طرح بہت اعلیٰ کھانا زہر آمیز ہونے سے چھوڑنے کے لائق ہوتا

ہے۔ اُسیطرح کی یہ کتب ہیں۔ جو کوئی ان جھوٹی کتب میں سے سچائی کی تلاش کرنا چاہے۔ تو جھوٹ بھی اُس کے گلے لپٹ جاتا ہے۔ اس لئے دروغ آمیز سچائی جو کسی کتاب میں ہو اُسے بھی اُسیطرح ترک کردینا چاہیئے۔ جس طرح زہر آمیز کھانا

جواب۔ سوامی جی کا قول ہے۔ کہ جس کتاب میں تھوڑا سا بھی جھوٹ ہو اُس کو زہر آمیز کھانے کی طرح جھوٹ لپٹ جانے کے ڈر سے بالکل چھوڑ دے مگر منوسمرتی کو جس میں سوامی جی خود جھوٹے شلوک تسلیم کرتے ہیں نہیں چھوڑتے بلکہ منوسمرتی کے صحیح ہونے کی نسبت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۲ استیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کچھ کچھ شلوکوں کو چھوڑ کر منوسمرتی ہی وید کے مطابق ہے اس سے یہ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ منوسمرتی میں جھوٹے شلوک ضرور ہیں۔ اور سچے بھی اور جس کتاب میں دروغ آمیز سچائی ہو وہ قابلِ ترک ہے۔ اس لحاظ سے منوسمرتی قابلِ ترک ہے۔ مگر سوامی جی منوسمرتی کو نہیں چھوڑتے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ منوسمرتی کا جھوٹ اُن کے گلے میں لپٹ کر نہ رہ گیا ہو۔ سوامی جی کے ہاں کوئی کتاب ایسی نظر نہیں آتی جس کو اوّل سے آخر تک صحیح تصور کرسکیں کیونکہ ویدوں میں بھی اکثر منتر اور اُپنشد غلط ہیں جن کو سوامی جی صاحب یہ کہہ کر ٹال جاتے ہیں۔ کہ یہ منتر بعد کے داخل کردہ ہیں۔ خواہ بعد کے داخل کردہ ہوں یا شروع کے غلط ضرور ہیں۔ اور وید غلطی سے مبرا نہیں اور سوامی جی نے ان میں سے چند منتر لئے ہیں اگر تمام منتروں پر سوامی جی کی نظر پڑتی۔ تو یقیناً وہ تمام منتروں کو خود غلط سمجھ کر قابلِ ترک تحریر کرجاتے

شودر پر بے عقلی اور جہالت کا الزام

عبارت متن صفحہ ۶۶ سطر ۵ تا غایت ۲۸ و صفحہ ۶۷ سطر ا تا غایت ۱۳

از باب سویم

پرمیشور کہتا ہے۔ کہ جس طرح میں سب انسانوں کے لئے اس کلیان یعنی اس جہان اور نجات کے سکھ دینے والے رگوید وغیرہ چاروں وید کے کلام کی ہدایت کرتا ہوں۔ اسیطرح تم بھی کیا کرو۔ یہاں کوئی ایسا اعتراض کرے۔ کہ لفظ رجن (جو اصل منتر میں ہے) سے دوج سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ سمرتی وغیرہ کتب میں برہمن۔ چھتری۔ ویش ہی کو وید پڑھنے کا مستحق بتلایا ہے۔ عورت اور شودر وغیرہ اقوام کو نہیں۔ تو اُس کا جواب یہ ہے۔ کہ دیکھو پرمیشور خود کہتا ہے۔ کہ ہم نے برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر اور اپنے غلام یا عورات وغیرہ اور نہایت ادنے درجہ کے شودروں وغیرہ کے لئے بھی ویدوں کا اظہار کیا ہے۔ یعنی سب انسان ویدوں کو پڑھ پڑھا کر اور سن سنا کر گیان کو بڑھائیں۔ اچھی باتوں کو اختیار اور بری باتوں کو ترک کرکے دُکھوں سے چھوٹیں۔ اور خوشی حاصل کریں۔ کہئے اب تمہاری بات مانیں یا پرمیشور کی۔ پرمیشور کی بات ضرور قابلِ تسلیم ہے۔ اتنے پر بھی جو کوئی اس کو نہ مانیگا۔ وہ ناستک (دہریہ) کہلائے گا۔ کیونکہ ویدوں کی برائی کرنے اور اُن کو نہ ماننے والا ناستک کہلاتا ہے۔ کیا یہ پرمیشور شودروں کا بھلا کرنا نہیں چاہتا۔ کیا ایشور طرفدار ہے۔ کہ ویدوں کے پڑھنے سُننے

کہ شودروں کو ممانعت کرے - اور دوجوں کو اجازت دے - اگر پرمیشور کا مدعا شودر وغیرہ کو پڑھانے سنانے کا نہوتا تو اُن کے جسم میں زبان اور کان کیوں بناتا - جس طرح پرماتمانے زمین پانی - آگ - ہوا - چاند - سورج اور اناج وغیرہ اشیار سب کے لئے بنائی ہیں - اسی طرح وید بھی سب کے لئے ظاہر کئے ہیں - اور جہاں کہیں ممانعت کی ہے - اس کا یہ مطلب ہے - کہ جس کو پڑھنے پڑھانے سے کچھ بھی نہ آوے وہ بے عقل اور جاہل ہونے سے شودر کہلاتا ہے - اُس کا پڑھنا پڑھانا رائگان ہے -

جواب - پرمیشور نے وید میں صاف اور صریحی الفاظ میں دوجوں (برہمن - چھتری ویش) کو جس کو سوال کے طور پر لکھتے ہوئے - سوامی جی بھی مقر ہیں وید کے پڑھنے کا حکم دیا ہے - شودروں کے واسطے وید میں کہیں اور کسی جگہ علم وید اور شاستر حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی - بلکہ قطعی ممانعت ہے - جس کو سوامی جی نے بیروں میں گتھلیاں رلا کر ہندو لوگوں کے دماغوں پر محویت کا پردہ ڈالکر مٹانا چاہا ہے - مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ اصلی بات اُن کی زبان سے نکل ہی گئی جس کو وہ اس طرح لکھتے ہیں - کہ شودر کا بے عقل اور جاہل ہونے سے پڑھنا پڑھانا رائیگان ہے یہ گویا ایسی مثال ہے - جیسا کہ ایک بھیڑیا اور بکری دونوں کشتی میں سوار ہوں اور بھیڑیا بکری سے کہے - کہ تو کشتی میں خاک کیوں اُڑاتی ہے - اس سے بھیڑے کا یہ مطلب تھا - کہ میں بکری پر کوئی نہ کوئی الزام لگا کر اس کو ہڑپ کر جاؤں جس کا جواب بکری کے پاس صرف یہی ہو سکتا تھا - جو اُس نے دیا کہ مہاراج اگر تم کو کھانا ہی منظور ہے تو بغیر اس الزام کے ہی مجھ ناکردہ گناہ کو کھا لیجئے - کشتی میں خاک کہاں سے آئی جو اُڑاتی - ایسی ہی مثال سوامی جی کے ویدکی ہے - کہ خواہ

مخواہ شودر کو بے عقلی اور جہالت کے الزام سے ملوث کر کے علم سے بے بہرہ رکھنا چاہتا ہے۔ سوامی جی کی لفاظی اور چرب زبانی نے بہت کچھ زور مارا مگر پھر بھی شودروں کا پڑھنا پڑھانا رائیگاں ہی رہا۔ اور رائیگاں کیوں نہ ہوتا شودروں کے ذمہ وید نے خدمتگاری کا پنچھلا ایسا لگا دیا ہے۔ جس سے ان بیچاروں کو سفر کا موقع مل ہی نہیں سکتا۔ اور وہ ان وید کے خرانٹ بھیڑیوں کے پنجوں سے نکل ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ پڑھنا پڑھانا کسی حالت میں رائیگاں نہیں جاتا۔ علم شے بہ از جہل شے مقولہ صحیح ہے۔ آریہ صاحبان کو اس عبارت متذکرہ بالا سے سوامی دیانند صاحب کی طباعی کا پورا پورا پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ انہوں نے وید میں کس کس طرح اپنے مطلب کے موافق الٹ پلٹ کر نمک مرچ لگایا ہے۔ اور اپنے مقصد کے مطابق معانی کا جامہ پہنایا ہے۔ ان تاویلات کے بعد اور شودر کو پڑھنے پڑھانے کے باوجود بھی سوامی جی نے شودر ہی رکھا۔ اور صفحہ ۸۰ ستیارتھ پرکاش سطر ۷،۲ و ۸ میں شودر کو منتر سنگھتا پڑھانے اور اپ نین کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جب شودر۔ ویش۔ چھتری۔ برہمن سب سوامی جی کے خیال میں یکساں ہیں۔ پھر یہ امتیازی صورت کیوں رکھی جاتی ہے۔ کیا یہ خدا کی قانون کے خلاف نہیں ہے۔ جسمانی حیثیت۔ پیدائشی کیفیت اور بنی نوع انسان ہونے کے لحاظ سے شودر اور سوامی جی یا سوامی جی کے مسلمہ برہمن۔ کشتری۔ ویش میں کیا فرق ہے۔ پھر شودروں کو منتر سنگھتا سکھانے اور اپ نین کرانے سے سوامی جی منع کرنے والے کون ہوتے ہیں۔

سوامی جی کے قول سے عناصر کی پیدائش کا ثبوت

سوامی جی کا حافظہ کچھ اتنا ناقص ہو گیا تھا۔ جس کی حد نہیں یا دروغ گو

را حافظ نباشد کا مضمون تھا۔ کبھی اربعہ عناصر۔ زمین۔ پانی۔ آگ۔ ہوا۔ اور کرئے چاند و سورج وغیرہ انادی اور ازلی مانتے ہیں۔ جو بنے بنانے سے مبرا ہونے ہونے چاہئیں۔ اور کبھی پرماتما کے بنائے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس کی تنقید آریہ صاحبان ہی فرما سکتے ہیں۔ کہ سوامی جی کا کون سا قول درست ہے۔

ہم کو اُمید ہے کہ ذی علم سماجی صاحبان ہمارے پیش کردہ دلائل کو ضد اور تعصب کو دُور کر کے انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور جو احکام مذہبی تمدنی۔ معاشرتی۔ اخلاقی۔ کاملیت کا ثبوت تمام عالم کے لئے یکساں اور عقل کے موافق پیش کرتے ہیں۔ ان کو اختیار فرمائیں گے۔

العاقل تکفیہ الاشارہ

باب سویم ختم ہوا۔ سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو

تردید ستیارتھ پرکاش کا دوسرا حصّہ

تمام دلائل مذکورہ بالا سے جو تردیداً تینوں بابوں میں بیان کئے جا چکے ہیں کوئی مخاصمہ منظور نہیں ناظرین کو چاہیئے کہ ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور فرمائیں کہ حقیقتاً وہ کونسی شے ہی جو انسان کو سچ اور جھوٹ۔ کھوٹے اور کھرے میں تمیز نہیں کرنے دیتی۔ ہمارے خیال میں اس قوتِ امتیازی کو مٹا دینے والا صرف وہ یقین یا اعتقاد یا علم ہوتا ہی۔ جو اُس کو کسی جماعت کے خیالات کے زیرِ تحت رہ کر حاصل ہو چکا ہی۔ اس حاصل کردہ یقین یا علم کا تتبع اُس کے لئے اکثر صورتوں میں ناگزیر ہوتا ہے۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ بمقابلہ شخصی خیالات کے جماعت کے تخیلات ناقص ہوتے ہیں۔ اگر بادی النظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر انسان کیلئے

ضروری اور لابدی ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی کسی نہ کسی جماعت کے ماتحت رہ کر گذارے اور اس کا ہمخیال بن کر دنیا میں رہے۔ کیونکہ کسی ایک فرد کو افراد کا ہمخیال فرد بننے کے بغیر امن۔ سکون۔ ہمدردی محبت۔ موانست کی شکل دیکھنا نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان تو انسان حیوان بھی جزو جماعت ہی بنکر رہتے ہیں اُن کے خیالات۔ کردار۔ رفتار جماعت کے پابند نظر آتے ہیں۔ ازانجملہ ہرن جیسے وحشی اور جنگلی جانور بھی جماعت کے اثر کے اس قدر تابع ہوتے ہیں۔ کہ وہ اپنی آزادانہ روش کو چھوڑ کر جماعت کے ساتھ ساتھ ایک ہی جانب کو جس طرف جماعت کا رُخ ہو گیا ہو۔ اور اسی رفتار پر جو جماعت کی رفتار ہے۔ چلتے ہیں۔ خواہ یہہ باتیں کسی ایک فرد کے خلاف مزاج ہی کیوں نہ واقع ہوں۔ مگر نہیں۔ یکجائی۔ موانست۔ امن۔ سکون کا خیال اُس کی اپنی آزادانہ رائے کے برتنے میں مزاحمت پیدا کر کے مانع قوی بن جاتا ہے۔ اسی طرح پرندوں میں کلنگوں کی جماعت یا قازوں کی ڈار بلکہ ہماری آنکھوں سے کوئی دیکھے تو اُس کو ایک ایک قطرہ اور ہر سالمہ میں جزو جماعت بننے کا جلوہ نظر آئے۔ جو اُس کے شعور ذاتی کی حدبندی اور حرکات ارادی کی تحدید کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور اس کی آزادانہ روش کو قائم نہیں رہنے دیتا۔ جب کہ جملہ اشیائے عالم کے مایۂ خمیر کی یہ حالت ہو تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ مخلوقات میں سے کوئی شئے اس اجماعی اثر سے محفوظ رہ سکتی ہے؟ اور جب کوئی شئے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ تو افراد انسانی کا ایک فرد جس کے لئے جزو جماعت بننا لابدی ہے۔ اجماعی خیالات کے اثر سے بچ سکتا ہے؟ یہہ مقدمہ ہے۔ اجماعی اثرات کے موثر ہونے اور افراد انسانی کے زیر تحت جماعت رہنے کے ثبوت کے متعلق۔ اس کے بعد یہ بات بہت آسانی سے کہی جا سکتی ہے۔ کہ بہت سے افراد کی ہمخیال جماعت پر مذہب کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہہ نکلتا ہے۔ کہ مذہبی جماعت کے خیالات اجماعی اثر کے زیر تحت رہتے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہ ہی ہے۔ کہ دُنیا کا کوئی مذہب اس اثر سے بچا ہوا نہیں پایا جا سکتا۔ کہ جس پر گئے دن اجماعی تخیلات کا کوئی نیا رنگ نہ چڑھتا رہتا ہو۔ صبّاغ الیسا رنگ چڑھانے کے لئے اُس جماعت کے چند افراد کو اپنا

ہمخیال اس طرح بناتا ہے۔ کہ اس مسلک کی موافقت میں ثبوتی اور مخالفت میں سلبی دلائل پیش کرکے اپنا ہم نوا بنا لیتا ہے۔ جب وہ افراد اُس کے اثر سے بخوبی متاثر ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بہت سی دور از کار اور بعید از قیاس باتوں کو ان سے بلا دلیل قبول کرا لیتا ہے دوسرے لفظوں میں اسی قبول اثر کا نام یقین یا اعتقاد ہے۔ جب انسان اس طرح مذہبی اثر کو قبول کر لیتا ہے تو اُس کی عقل میں قوت نقادی باقی نہیں رہتی۔ وہ اکثر امور دور از قیاس کو جو عامۃ الناس کے نزدیک لغو و بے بنیاد ہوتے ہیں۔ بلا سوچے سمجھے اعتقاداً مان لیتا ہے۔ اجماعی اثر اُس کو ایک قدم پیچھے نہیں ہٹنے دیتا۔ یہاں تک کہ اس غلط مسئلہ کی تائید میں لاطائل دلائل پیش کرکے اپنی تسکین قلب اور اعتقادی ایمان کی توثیق کر لیتا ہے۔ یہ ہے مذہبی اور اجماعی قبول اثر کا نتیجہ جو سطور بالا میں بدلائل بیان کیا گیا۔ اس انکشاف کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ سوامی جی ہمارے مقدس ہیرو یا ان کے پیش کردہ مسائل جو اس کتاب کی روح رواں ہیں۔ کہاں تک اس قبول اثر سے بچے ہوئے ہیں؟ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ سوامی جی اجماعی تخیلات کے زیر اثر نہ تھے؟ یا اُن کے پیش کردہ انتخابی مسائل جماعت کے انتخابی مسائل نہیں ہیں؟

بعض مسائل کو جن کی تردید ہم لکھ چکے ہیں۔ مثال کے طور پر پھر دوہراتے ہیں۔ گانا۔ ناچنا۔ باجہ بجانا۔ آگ کے کنڈ میں گھی یا دوسری ایسی ہی چیزیں جلا کر چراند پھیلانا اور اس طرح عام تندرستی کو خراب کرنا۔ تمام عمر برہمچرج کی بھینٹ چڑھا کر سلسلہ توالد و تناسل کو قطع کر دینا۔ اور خلاف قانون فطرت عملدرآمد کرنا۔ نیوگ جیسے مسئلہ کا رائج کرنا۔ جو اخلاقاً نہایت معیوب معلوم ہوتا ہے۔ اور جس کو کوئی غیرت مند شخص کسی طرح قبول نہیں کر سکتا۔ سوائے اُس شخص کے جس کے آزادانہ خیالات کو جماعتی خیالات نے دبا لیا ہو۔ آواگون کا چکر جس میں صرف روح کو سزا یا جزا دینا منظور ہے۔ حالانکہ روح اس کے احساس و ادراک سے قطعی نابلد رہتی ہے۔ یا اسی قسم کے دیگر مسائل وحدانیت وغیرہ

جس میں خدا کی اچھی خاصی ہستی کو نیستی سے بدل دیا جاتا ہے۔

کیا ایسے مسائل عامۃ الناس کے نزدیک قابلِ قبول ہو سکتے ہیں؟ کوئی شخص بھی جو آزادانہ ذاتی رائے رکھتا ہو۔ یا اُس جماعت کے اثر سے جس نے یہہ مسائل تراشے ہیں متاثر نہ ہوا ہو کسیطرح بھی قبول نہیں کر سکتا۔ خواہ کسی فرد جماعت نے ان مسائل کو لاطائل دلیلوں کا جامہ پہنا کر خوشنما ہی کیوں نہ بنادیا ہو۔ مگر یہہ خوشنمائی گندم نما جو فروشی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

مقدمات مذکور بالا کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ آج کل جسقدر مذاہب بھی جاری ہیں ان مذاہب کا ہر فرد جماعت کے زیر تحت رہ کر کام کرتا ہے۔ اس لئے وہ اجتماعی اثر سے غلطی اور دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں ضرور ایسا ہی ہے۔ مگر یہہ بات دیکھنا۔ کہ اصولی لحاظ سے کون مذہب اچھا اور بہتر ہے؟ کس مسلک کو عام لوگ پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں؟ کس مذہب میں رہ کر بہترین اخلاقی نمونے پیش کئے جا سکتے ہیں؟ وہ کون مذہب ہے۔ جس میں سوائے ایک ذات واحد کے کسی غیر کو دخل ہی نہ ہو۔ وہ کون مذہب ہے جس نے فلسفہ وحدانیت کی چولیں ٹھیک بٹھادی ہیں؟ اور ان سب سوالوں کے مقابل کون سا مذہب ناقص ہے؟

ہر انسان کا فرض اولین ہے۔ کہ وہ اجتماعی خیالات کے اثر سے علیحدہ ہو کر ان سب باتوں کو آزادانہ عقل سے پرکھے۔

میں خود اس بات کا مقر ہوں کہ اسلام جیسے پاک مذہب میں بھی اکثر فرقہ بندیوں نے سینکڑوں بدنما دھبے لگادیئے ہیں۔ مگر واقعہ یہہ ہے۔ کہ جس طرح چاند پر خاک ڈالنے سے وہ اٹ نہیں جاتا۔ اسی طرح خالص اسلام بھی فرقہ وارانہ بدعات سے ناپاک نہیں ہو سکتا۔ وہ وہی سچا صرف ایک ذات واحد کا بھیجا ہوا پاک مذہب ہے جس کے اصول قبولیت عام کی سند پیش کر کے دادِ حقانیت لے چکے ہیں۔ یہی وہ مذہب ہے جو قانون فطرت کے بالکل مطابق

ہی مطابق ہے۔

اس کے مقابل میں اگر ہم اپنے مذ مقابل کے اصُول مذہب پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی اصُولی کتاب چار افراد کی ذہنی قابلیت کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد دیگر اصولی کتابیں مثل ویشیشک درشن۔ یوگ درشن۔ سانکھیہ شاستر۔ نیائے شاستر وغیرہ دیگر افراد کی تیز طبعی کا سرمایہ ہیں۔ جس مذہب کی ابتدا اجماعی خیالات پر مبنی ہو۔ اس کو غلطی سے پاک کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ مذہب اسلام اور ویدک دھرم میں جو باتیں مابہ الافتراق ہیں وہ یہی ہیں۔ کہ وہ خدا کو قادر مانتا ہے۔ یہ مجبور وہ مختار سمجھتا ہے۔ یہ محتاج۔ وہ فطرت کی موافقت کرتا ہے یہ مخالفت۔ وہ بداخلاقیوں کو ناروا جانتا ہے یہ جائز۔ وہ صرف ایک کتاب الٰہی کا معتقد ہے یہ چار یا پانچ سات کا۔ وہ مادّہ اور روح کی خلقت کا قائل ہے یہ قدامت کا۔

یہ ہیں امتیازی شکلیں اور افتراقی صورتیں جو دونوں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ امورات متذکرہ بالا کا آخری فیصلہ ناظرین کی آزادانہ اور غیر متعصبانہ رائے پر چھوڑا جاتا ہے۔

اس کو ضرور پڑھیے

اس کو ضرور پڑھیے

قابلِ توجہ

اعلان

حصہ دویم تردید ستیارتھ پرکاش یعنی آریہ کھنڈن جس میں چوتھے سے ساتویں باب تک کا مفصل و مدلل جواب تحریر کیا گیا ہے۔ شائقین حضرات کی پانچ سو درخواست ہائے خریداری آنے پر طبع ہوگا۔ لہٰذا ناظرین جلد سے جلد درخواست خریداری بھیجیں۔ درخواستوں کے آنے میں جتنا توقف ہوگا۔ اوتنا ہی چھپائی میں وقفہ ہو کر ناظرین کو انتظار کی تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔ اس کا طبع ہونا شائقین کی قدردانی پر منحصر ہے

المعلن

احقر منشی سید محمد اختر زمیندار۔ مقام ہولڑی

ضلع میرٹھ

جلد منگائیے

جلد درخواست بھیجئے

شمسی مجربات

اکسیر جریان

جریان ایسا عام مرض ہے جو وبا کی طرح عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اشتہاری ہو کہ بازونے مریضوں کو اتنا بدگمان بنا دیا ہے جس سے وہ اکثر اپنے نفع سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ ہم اور اشتہاری حکیموں یا ڈاکٹروں کی طرح لمبے چوڑے دعوے تو نہیں کرتے مگر اپنی ان مجرب بیحد گولیوں کی نسبت اتنا ضرور کہتے ہیں کہ یہہ ہر قسم کے جریان منی کو خواہ اس کا قوام پتلا ہو یا بدبو پیدا ہو گئی ہو یا کوئی اور سبب ہو۔ مثلاً سوزاک۔ جلق وغیرہ سے ہو ایک ہفتہ میں ضرور بند کر دیتی ہیں بڑا فائدہ یہہ ہے۔ کہ قبض دائمی کو دور کر کے خوراک بڑھاتی اور قریب قریب ہر مزاج کے موافق ہوتی ہیں۔ مرد و عورت دونوں کے واسطے اس مرض میں یکساں مفید ہیں۔ گردہ اور کمر وغیرہ کے درد کے واسطے اکسیر کا کام کرتی ہیں۔ سر کا چکر زیادہ ہر قسم کی کمزوری کو دور کر دیتی ہیں۔ سرعت انزال اور احتلام کیلئے بیحد مفید ثابت ہو چکی ہیں۔ قوت امساک کو بڑھاتی ہیں۔ خون صالح پیدا کر کے جسم کو فربہ بناتی ہیں۔ فوائد کے لحاظ سے قیمت بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ تا کہ عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ قیمت فی ڈبیہ جس میں ۶۴ گولیاں ہیں دو روپیہ علاوہ محصولڈاک

ہر قسم کا طبی مشورہ بالکل مفت دیا جاتا ہے۔ جملہ امراض کی مجرب دوائیں ارزاں قیمت پر ہمارے یہاں مل سکتی ہیں

ملنے کا پتا۔ منیجر شمسی دواخانہ بہ سرپرستی مولوی حکیم سید شمشاد حسین صاحب شمس موسوی خیر نگر بلند شہر